سورۃ الاحقاف

ایاتھا ۳۵ | ۴۶ سورۃ الاحقاف مکیۃ ۶۶ | رکوعاتھا ۴

تمام کے قول کے مطابق یہ سورت مکی ہے اس کی چونتیس آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی پینتیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ۝۲ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَمَّاۤ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۝۳

"حا۔میم۔ اتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ کی طرف سے جو سب پر غالب بہت دانا ہے۔ نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ اور مدت مقررہ تک، اور کفار اس چیز سے جس سے انہیں ڈرایا جاتا ہے روگردانی کرنے والے ہیں"۔

اَجَلٍ مُّسَمًّی سے مراد قیامت ہے(1)؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے یہ وہ موت ہے جس پر آسمان اور زمین ختم ہو جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ وقت ہے(2) جو ہر مخلوق کے لیے مقدر ہے۔ عَمَّاۤ اُنْذِرُوْا جس سے انہیں ڈرایا گیا۔ مُعْرِضُوْنَ وہ اس سے اعراض کرنے والے ہیں، غفلت کا اظہار کرنے والے ہیں وہ اس کے لیے تیاری کرنے والے ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ ما مصدر یہ ہو معنی ہوگا انہیں اس دن کے ڈرانے سے۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ ؕ اِیْتُوْنِیْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَاۤ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝۴

"فرمائیے: اے کفار! کبھی تم نے (غور سے) دیکھا ہے جنہیں تم اللہ کے سوا (خدا سمجھ کر) پکارتے ہو (بھلا) مجھے بھی تو دکھاؤ جو پیدا کیا ہے انہوں نے زمین سے یا ان کا آسمانوں (کی تخلیق) میں کچھ حصہ ہے، لاؤ میرے پاس کوئی کتاب جو اس سے پہلے اتری ہو یا کوئی (دوسرا) علمی ثبوت اگر تم سچے ہو"۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ بتوں اور اللہ تعالیٰ کے جن شریکوں کی تم عبادت کرتے ہو۔ مَاذَا خَلَقُوْا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 271　2۔ ایضاً

مِنَ الْاَرْضِ کیا انہوں نے زمین میں سے کوئی چیز پیدا کی ہے۔ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ کیا ان کے لیے کوئی حصہ ہے فِي السَّمٰوٰتِ اللہ تعالیٰ کے ساتھ آسمانوں کی تخلیق میں۔ مِنْ قَبْلِ هٰذَآ یعنی اس قرآن سے قبل۔

مسئلہ نمبر 2۔ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ عام قراءت اَوْ اَثٰرَةٍ ہے یعنی ثاء کے بعد الف ہے۔ حضرت ابن عباس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نقل کی ہے ''یہ وہ خط تھا جو عرب زمین میں لگاتے تھے'' (1)۔ اسے مہدوی اور ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ درست نہیں۔ مشہور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''انبیاء میں سے ایک خط لگایا کرتا تھا جس نے ان کے خط کی موافقت کی تو وہ صحیح نتیجہ تک پہنچ گیا'' (2)۔ یہ بھی روایت صحیح نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ معاویہ بن حکم سلمی کی حدیث سے ثابت ہے: اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے نحاس نے اس کی سند بیان کی محمد بن احمد جراہجی، محمد بن بندار سے وہ یحییٰ بن سعید سے وہ سفیان ثوری سے وہ صفوان بن سلیم سے وہ ابو سلمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں (3) کہ آپ نے فرمایا: ''وَاَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ سے مراد خط ہے'' یہ بھی صحیح ہے۔ ابن عربی نے کہا: اس کی تاویل میں علماء نے اختلاف کیا ان میں سے کچھ نے کہا: یہ خط لگانے کی اباحت کو بیان کرنے کے لیے ہے کیونکہ کچھ انبیاء اس طرح کیا کرتے تھے، ان میں سے بعض نے کہا: یہ نہی بیان کرنے کے لیے ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس کا خط نبی کے خط کے موافق ہوگیا تو وہ اس امر کو جان گیا'' کیونکہ پہلے نبی کے طریقہ کی پہچان کا کوئی طریقہ نہیں کہ اس پر عمل کرنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ شاعر نے کہا:

لعمرك ماتدری الضوارب بالحصا ولا زاجراتُ الطير ماالله صانع

تیری زندگی کی قسم انگریاں پھینکنے والیاں نہیں جانتی اور نہ پرندے کو جھڑکنے والیاں جانتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کیا کرنے والا ہے۔

اس کی حقیقت اس علم کو جاننے والوں کے ہاں اسی طرح ہے جس طرح ستاروں کی صورتیں ہوا کرتی ہیں ایسا آدمی اس چیز کے بارے میں راہنمائی کرتا ہے جس پر ستارے دلالت کرتے ہیں کہ سعادت یا نحوست ان میں واقع ہوئی پس یہ گمان پر مبنی ہوگا اور امر غائب کے متعلق ہوگا، جس کا طریقہ ناپید ہوچکا ہے اور اس کی تحقیق فوت ہوچکی ہے اور شریعت نے اس بارے میں منع کیا ہے اور اس امر کی خبر دی ہے کہ یہ وہ امر ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے اور مخلوق سے اس امر کو قطع کردیا ہے اگرچہ ان کے لیے اس سے قبل ایسے اسباب تھے کہ وہ غائب اشیاء کو جاننے کے لیے ان اسباب سے وابستہ ہوا کرتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان اسباب کو اٹھا دیا ہے، ان دروازوں کو مٹا دیا ہے اور علم غیب کے لیے اپنی ذات کو خاص کردیا ہے۔ اس میں اس ذات کے ساتھ مزاحمت جائز نہیں، اس کا دعویٰ کرنا کسی کے لیے حلال نہیں اس میں اگر نہی نہ بھی ہو تو اس کی طلب صرف تھکاوٹ ہی تھکاوٹ ہے۔ جب اس میں نہی وارد ہوچکی ہے تو اس کی طلب معصیت ہوگی یا کفر ہوگا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 271 2۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب تحریم الکھانۃ واتیان الکھانۃ، جلد 2، صفحہ 232

3۔ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، جلد 7، صفحہ 233، حدیث نمبر 11335

جیسا طالب کا ارادہ ہوگا(1)۔

میں کہتا ہوں: جو قول اس نے اختیار کیا ہے وہ خطابی کا قول ہے خطابی نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: فمن وافق خطه فذاك یہ زجر کا احتمال رکھتا ہے کیونکہ یہ نبوت کا علم تھا جو منقطع ہو چکا ہے، ہمیں اس کے حاصل کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ قاضی عیاض نے کہا: لفظ کا ظاہر اس کے خلاف ہے اور جس کا خط نبی کے خط کے موافق ہو اس کی تصویب کی گئی ہے لیکن موافقت کہاں سے معلوم ہو جبکہ شرع نے گمان اور غیب کا دعویٰ کرنے سے منع کیا ہے۔ اس حدیث کا معنی ہے جس نے اس کے خط کی موافقت کی یہی وہ چیز ہے جس کی درستگی کو وہ پاتے تھے اس سے یہ مراد نہیں کہ ایسا عمل کرنے والے کے لیے اباحت ثابت ہوتی ہے جس طرح بعض لوگوں نے معنی کیا ہے۔

مکی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: کان نبی من الانبیاء یخط(2) کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ وہ اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے ریت میں خط لگاتے پھر وہ فال لیتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قول و منار جال یخطون کی یہ وضاحت کی اس سے مراد وہ خط ہے جو کاہن لگایا کرتا اور اسے عطیہ دیا جاتا اور کہتا: بیٹھو یہاں تک کہ میں تیرے لیے خط لگاؤں، کاہن کے سامنے ایک بچہ ہوتا جس کے پاس سرچو ہوتا پھر وہ نرم زمین پر آتا استاذ جلدی جلدی خط لگاتا تاکہ اسے ساتھ ساتھ گنا نہ جاسکے پھر وہ پلٹتا اور آہستہ آہستہ دو دو خط مٹاتا اگر دو خط باقی رہ جاتے تو یہ کامیابی کی علامت ہوتی اگر ایک خط باقی رہ جاتا تو یہ ناکامی کی علامت ہوتا۔ عرب اسے اسحم کا نام دیتے، یہ ان کے نزدیک منحوس ہوتا۔

مسئلہ نمبر3۔ ابن عربی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب نہیں چھوڑے جو غیب پر دلالت کرتے ہوں جن کے ساتھ تعلق کی اجازت دی گئی تھی اور جن کے ساتھ استدلال کی اجازت دی گئی تھی صرف خواب باقی ہیں اور یہ بتایا کہ یہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جز ہے اسی طرح فال ہے جہاں تک طیرہ اور زجر کا تعلق ہے ان دونوں سے منع کیا گیا ہے(3)۔

فال سے مراد ہے جو کلام سنی جائے اس سے اس امر پر استدلال کرنا جس کا ارادہ ہو جب وہ آواز اچھی ہو جب مکروہ کو سنے تو یہ تطیر ہے۔ شرع نے یہ حکم دیا ہے کہ فال سے خوش ہو اور خوشی خوشی اپنے امر کو کر گزرے اور جب وہ مکروہ آواز سنے تو اس سے اعراض کرے اور اس کی وجہ سے نہ لوٹے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللھم لا طیر الا طیرك ولا خیر الا خیرك ولا إله غیرك اے اللہ کوئی فال نہیں مگر تیرا فال اور کوئی خیر نہیں مگر تیری خیر تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ ایک ادیب نے اس کا ذکر کیا ہے:

الفال والزجر والکهان کلهم مضللون ودون الغیب أقفال

فال، پرندوں کو جھڑکنا سب گمراہ کرنے والے ہیں، علم غیب کے سامنے تالے لگے ہوئے ہیں۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1696

2۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب تحریم الکھانة واتیان الکھانة، جلد 2، صفحہ 232

3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1697

یہ کلام صحیح ہے مگر فال میں درست نہیں کیونکہ شرع نے اسے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور اس کا حکم دیا ہے۔ شاعر نے جو کچھ اس میں کہا ہے اسے قبول نہ کیا جائے گا کیونکہ اس نے جہالت کی بات کی ہے اور صاحب شرع زیادہ سچا، زیادہ علم رکھنے والا اور زیادہ حکیم ہے۔

میں کہتا ہوں: طیرہ، فال اور ان دونوں میں فرق کے بارے میں بحث سورۂ مائدہ اور دوسری سورتوں میں گذر چکی ہے۔ سورۃ الانعام میں یہ بحث گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات غیب میں منفرد ہے۔ کوئی اسے نہیں جان سکتا مگر اللہ تعالیٰ اسے جو علم عطا کرے یا اس پر دلالت عادیہ بنا دے اس کی مدد سے اسے جانا جا سکے جو عام معمول ہو۔ بعض اوقات اس میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے جب وہ کھجور کا ایک درخت دیکھے جس پر گابھے نکلے ہوں تو وہ جان لے گا یہ پھل دے گا اور جب وہ درخت کو دیکھے گا کہ اس کا گابھا گر چکا ہے تو اسے علم ہو جائے گا کہ وہ پھل دار نہیں ہوگا۔ یہ جائز ہے کہ اس پر کوئی آفت آ جائے جو اس کے پھل کو ہلاک کر دے تو وہ پھل نہ دے، جس طرح یہ جائز ہے کہ اس کا گابھا گر جائے اللہ تعالیٰ اس میں دوبارہ گابھا پیدا کر دے تو وہ پھلدار ہو جائے، جس طرح یہ جائز ہے کہ اس کے مہینہ کے بعد کوئی مہینہ نہ ہو اور اس دن کے بعد کوئی دن نہ ہو جب اللہ تعالیٰ اس عالم کو فنا کرنے کا ارادہ کرے۔ اس کے علاوہ بھی کئی امثلہ ہیں جن کی وضاحت سورۃ الانعام میں گذر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ ابن خویز منداد نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ سے مراد خط ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ خط (تحریر) دیکھ کر فیصلہ فرمایا کرتے تھے جب گواہ خط پہچان لیتا، جب حاکم اس کی تحریر پہچان لیتا اور جس کی طرف وہ خط لکھا جاتا اسے پہچان لیتا تو اس کے مطابق وہ فیصلہ کر دیا کرتا تھا۔ پھر جب لوگوں میں دھوکہ اور فریب ظاہر ہونے لگا تو آپ نے اس سے رجوع کر لیا۔ امام مالک سے یہ مروی ہے فرمایا: لوگ فسق و فجور کرتے ہیں تو ان کے لیے فیصلے بھی نئے ہو جاتے ہیں۔ جب گواہ اس تحریر پر گواہی دے دیں جس کے مطابق میں فیصلہ کیا گیا ہو، مثلاً وہ یہ گواہی دیں کہ یہ حاکم کا خط ہے یا اس کی تحریر ہے اس میں جو کچھ ہے ہم اس پر گواہی دیتے ہیں اگرچہ اس تحریر میں جو کچھ ہے اسے نہ جانتے ہوں۔ اسی طرح وصیت ہے یا کسی آدمی کے اعتراف کی تحریر ہے کہ اس نے کسی کا مال دینا ہے گواہ یہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ اس کا خط ہے اور اسی قسم کی گواہی دیں۔ ان کے مذہب میں اختلاف نہیں کہ اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ کا معنی ہے علم میں سے باقی؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، کلبی، ابو بکر بن عیاش اور دوسرے لوگوں کا قول ہے۔ صحاح میں ہے اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اس علم میں سے باقی، اسی طرح الاثرہ کا لفظ ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: سمنت الابل علی اثارۃ اس میں بھی یہ لفظ باقی ماندہ چربی ہے جو اس سے پہلے تھی۔ ماوردی اور ثعلبی نے ایک چرواہے کا قول ذکر کیا ہے جس میں یہ لفظ اسی معنی میں ہے:

وذاتِ اثارۃ اکلتْ علیھا بناتا فی اکِمّتہ قفارا

ہروی نے کہا: اثارہ اور اثرہ دونوں کا معنی باقی ماندہ ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: ماثم عین ولا اثر نہ وہاں چشمہ ہے اور نہ باقی

ماندہ چیز۔ میمون بن مہران، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور قتادہ نے کہا: اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ علم میں سے کوئی خاص چیز (1)۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد ایسی روایت ہے جو تم متقدمین سے بیان کرتے ہو۔ عکرمہ اور مقاتل نے کہا: انبیاء سے مروی (2)۔ قرظی نے کہا: اس سے مراد اسناد ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے ایسی چیز جو بیان کی جائے یا جو استخراج کی جائے (3)۔ زجاج نے کہا: اَوْ اَثٰرَةٍ کا معنی ہے یا علامت۔ اثارہ مصدر ہے جس طرح سماحہ اور شجاعہ۔ کلمہ کا اصل اثر ہے جس کا معنی روایت ہے، یہ جملہ کہا جاتا ہے: أثرت الحديث آثره أثرا وأثارة وأثرة فانا آثر یہ اس وقت کہتے ہیں جب تو اسے غیر سے بیان کرے اسی معنی میں یہ قول ہے: حدیث ماثور، یعنی اسے بعد والوں نے پہلے والوں سے نقل کیا۔ اعشیٰ نے کہا:

إن الذی فیه تماریتما بُیِّنَ للسامع والآثر

جس میں تم نے شک کیا ہے وہ سننے والے اور روایت کرنے والے کے لیے واضح ہے۔

اس شعر کو بَیَّنَ اور اَوْ اَثٰرَةٍ بھی روایت کیا گیا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی باقی ماندہ علم ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی ایسی چیز ہو جو پہلے لوگوں کی کتابوں سے بیان کی گئی ہو۔ ماثور اسے کہتے ہیں جسے بیان کیا جائے اور جس سے اسے بیان کیا جائے اسی سے اس کی سند صحیح ہو۔ سلمی، حسن بصری اور ابورجاء نے ہمزہ اور ثاء کو الف کے بغیر مفتوح پڑھا ہے معنی ہوگا خاص علم جو تمہیں عطا کیا گیا یا جس کے ساتھ تمہیں غیر پر ترجیح دی گئی۔ حضرت حسن بصری اور ایک طائفہ سے اثرۃ بھی منقول ہے یعنی ہمزہ مفتوح اور ثاء ساکن ہے۔ پہلا قول ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ دوسرا قول ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے عکرمہ سے بیان کیا ہے: معنی ہے علم کی میراث (4)۔

مسئلہ نمبر 5۔ اِیْتُوْنِیْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَاۤ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اس میں ادلہ کے تمام مسالک کا بیان ہے ان میں سے پہلا درجہ معقول کا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ یہ دلیل عقلی سے استدلال ہے کہ جامد چیز اس قابل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقابل اس کی عبادت کی جائے کیونکہ وہ چیز نہ نقصان دیتی ہے اور نہ نفع پہنچاتی ہے، پھر فرمایا: اِیْتُوْنِیْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَاۤ اس میں ادلہ سمعیہ کا بیان ہے۔

وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَ هُمْ عَنْ دُعَآىٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝

”اور کون زیادہ گمراہ ہوگا اس (بدبخت) سے جو پکارتا ہے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی فریاد قبول نہیں کر سکتا اور وہ اس کے پکارنے سے ہی غافل ہیں“۔

وَ مَنْ اَضَلُّ یعنی اس سے بڑھ کر نہ کوئی گمراہ ہے اور نہ ہی جاہل ہے۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ سے مراد بت ہیں۔ وَ هُمْ عَنْ دُعَآىٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ یعنی نہ وہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں، یہ بت جامد چیزیں ہیں انہیں انسانوں سے مذکر افراد کے قائم مقام رکھ کر

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 271 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

ذکر کیا ہے کیونکہ ان کے عبادت کرنے والے بتوں کو بادشاہوں اور امراء کے ساتھ تشبیہ دیتے تھے جن کی خدمت کی جاتی تھی۔

وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۞

''اور جب جمع کیے جائیں گے لوگ (روز محشر) تو وہ معبود ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا صاف انکار کر دیں گے''۔

وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ اس سے مراد یوم قیامت ہے كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً یعنی یہ معبود قیامت کے روز کفار کے دشمن ہوں گے، ملائکہ کفار کے دشمن ہوں گے جن اور شیاطین قیامت کے روز اپنے عبادت گذاروں سے براءت کا اظہار کریں گے۔ وہ ایک دوسرے کو لعن طعن کریں گے۔ یہ بھی جائز ہے کہ کفار کے بت جن کی یہ لوگ عبادت کرتے رہے وہ دشمن ہوں اس تقدیر کی بنا پر کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے زندگی پیدا فرما دے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ۞ (القصص)

ایک قول یہ کیا گیا: انہوں نے اپنے معبودوں سے دشمنی کا اظہار کیا کیونکہ یہ معبود ان کفار کی ہلاکت کا سبب بنے اور معبودوں نے ان کی عبادت کا انکار کر دیا، اسی پر یہ ارشاد دلالت کرتا ہے وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۞

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۞

''اور جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں جو روشن ہیں تو کہتے ہیں کفار حق کے بارے میں جب ان کے پاس آیا کہ یہ کھلا جادو ہے''۔

اٰيٰتُنَا سے مراد قرآن ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ؕ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۞

''کیا وہ کہتے ہیں کہ نبی نے اس کو خود گھڑ لیا ہے، فرمایئے: اگر میں نے اس کو خود گھڑا ہے تو تم اس طاقت کے مالک نہیں کہ مجھے اللہ سے چھڑا لو وہ خوب جانتا ہے جن باتوں میں تم مشغول ہو، وہ کافی ہے بطور گواہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان اور وہ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ام میں میم زائد ہے تقدیر کلام یہ ہے أیقولون افتراہ۔ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانب سے بات کی ہے۔ وہ آیات کو جو جادو کا نام دیتے تھے اس سے اضراب کیا گیا ہے۔ ام میں ہمزہ انکار اور تعجب کے لیے ہے گویا فرمایا: اسے چھوڑو ان کا عجیب و غریب قول سنو جس سے تعجب عیاں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس پر قادر نہیں یہاں تک کہ وہ یہ کہیں اور اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھیں اگر آپ اس پر قادر ہوں عرب قوم اس پر قادر نہ ہو تو عادت کے

خلاف ہونے کی وجہ سے آپ کی قدرت معجزہ ہوگی، جب معجزہ ہوگی تو یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کی تصدیق ہوگی۔ حکیم جھوٹے کی تو تصدیق نہیں کرتا تو آپ مفتری تو نہ ہوئے۔ اور ضمیر حق کے لیے ہے اور مراد آیات ہیں۔

قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُهٗ کہہ دیجئے: اگر بفرض محال میں اس پر افتراء باندھوں فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِیْ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا تو تم اس بات پر قادر نہ ہوگے کہ تم مجھ سے اللہ تعالیٰ کا عذاب دور کر سکو تو میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ پر کیسے افتراء باندھوں گا۔ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ جو تم کہتے ہو اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے؛ یہ مجاہد سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو تم اس کی تکذیب کرتے ہو۔ الافاضہ فی الشی سے مراد ہوتا ہے اس میں داخل ہونا اور اس میں شروع ہو جانا۔ أفاضوا فی الحدیث وہ گفتگو میں شروع ہو گئے۔ أفاض البعیر یعنی اونٹ نے جگالی کو اوجھ سے دھکیلا اور اسے نکالا۔ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

وأفضن بعد کظو مهن بجرة

انہوں نے اوجھ کی خشکی کے بعد جگالی کو باہر نکالا۔

أفاض الناس من عرفات إلی منّی یعنی تیزی سے چلے۔ پس ہر وہ چیز جس میں دفعہ کا معنی پایا جاتا ہو اس کو افاضہ کہتے ہیں۔ كَفٰى بِهٖ شَهِیْدًۢا یہ تمیز کی وجہ سے منصوب ہے۔ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ یعنی وہ میری سچائی کو جانتا ہے جبکہ تم باطل پر ہو۔ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ جو توبہ کرے اس کو بخشنے والا ہے الرَّحِیْمُ ۝ اپنے مومن بندوں پر رحیم ہے۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَ مَاۤ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَ لَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ وَ مَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝

"آپ کہیے: میں کوئی انوکھا رسول تو نہیں ہوں اور میں (ازخود) نہیں جان سکتا کہ کیا کیا جائے گا میرے ساتھ اور کیا کیا جائے گا تمہارے ساتھ، میں تو پیروی کرتا ہوں جو وحی میری طرف بھیجی جاتی ہے اور میں نہیں ہوں مگر صاف صاف ڈرانے والا"۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ یعنی میں کوئی پہلا رسول تو نہیں ہوں مجھ سے قبل بھی تو رسول تھے؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ البدع یعنی پہلا۔ عکرمہ اور دوسرے علماء نے اسے بدعا پڑھا ہے یعنی دال مفتوح ہے اس بنا پر کہ مضاف مقدر ہے معنی ہے میں رسالت والا پہلا تو نہیں ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بدع اور بدیع ایک معنی میں ہیں جس طرح نصف اور نصیف ہے۔ ابدع الشاعر یعنی وہ بدیع لایا۔ شئ بدع یعنی نئی چیز۔ فلان بدع فی هذا الأمر۔ فلاں اس معاملہ میں بدیع ہے۔ قوم ابداع؛ یہ اخفش سے مروی ہے۔ قطرب نے عدی بن زید کا شعر پڑھا:

فلا أنا بدع من حوادث تعتری(1)

میں کوئی پہلا شخص نہیں جسے حوادثات لاحق ہوئے ہیں

وَ مَاۤ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَ لَا بِكُمْ یعنی قیامت کے روز میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا میں اسے نہیں

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 10

جانتا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرک، یہودی اور منافق بڑے خوش ہوئے انہوں نے کہا: ہم اس نبی کی کیسے پیروی کریں جو جانتا ہی نہیں کہ اس کے ساتھ اور ہمارے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے، اسے ہمارے اوپر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ اگر یہ اپنی جانب سے نہ کہتے تو جس ذات نے اسے مبعوث کیا ہے وہ اسے ضرور بتا دیتا کہ وہ اس کے ساتھ کیا کرنے والا ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ (الفتح:2) تو یہ آیت منسوخ ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے کفار کو ذلیل و رسوا کر دیا۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ کو مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر کو بیان کر دیا ہے جو وہ تیرے ساتھ معاملہ کرنے والا ہے کاش! ہم بھی جان لیتے وہ ہمارے ساتھ کیا کرنے والا ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (الفتح:5) اور یہ آیت نازل ہوئی وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾ (احزاب) یہ حضرت انس، حضرت ابن عباس، قتادہ، حضرت حسن بصری، عکرمہ اور ضحاک نے کہا، حضرت ام العلاء جو انصار کی ایک عورت تھی نے کہا: ہم نے مہاجرین کو تقسیم کیا تو ہمارے حصہ میں حضرت عثمان بن مظعون بن حذافہ بن جمح آئے ہم نے انہیں اپنے گھروں میں ٹھہرایا تو وہ فوت ہو گئے۔ میں نے کہا: اے ابا سائب! اللہ تعالیٰ کی رحمت تجھ پر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے عزت دی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تجھے کیسے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عزت دی ہے“ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میرا باپ اور میری ماں آپ پر قربان تو پھر کون؟ فرمایا: ”جہاں تک اس کا تعلق ہے اسے موت آئی ہے ہم نے بھلائی ہی دیکھی ہے، اللہ کی قسم! میں اس کے لیے جنت کی امید رکھتا ہوں اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے“۔ اس عورت نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس کے بعد کسی کا کبھی بھی تذکیہ نہیں کروں گی۔ ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے اور کہا: یہ اس وقت فرمایا تھا جب آپ اپنی خطاؤں کی بخشش کو نہ جانتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کے وصال سے چار سال قبل صلح حدیبیہ کے موقع پر بخشش کی نوید سنائی تھی۔

میں کہتا ہوں: حضرت ام العلاء کی حدیث کو امام بخاری نے نقل کیا ہے اس میں میری روایت یہ ہے وما ادری مایفعل به اس میں بی و بکم نہیں ہے (1) انشاء اللہ یہ صحیح ہے جس کی وضاحت آگے آئے گی۔ آیت منسوخ نہیں کیونکہ یہ خبر ہے نحاس نے کہا: یہ محال ہے کہ اس میں ناسخ و منسوخ ہو اس کی دو وجوہ ہیں: 1۔ یہ خبر ہے۔ 2۔ سورت کے آغاز سے لے کر اس جملہ تک مشرکوں سے خطاب ہے ان کے خلاف استدلال ہے اور انہیں شرمندہ کرنا ہے تو ضروری ہے کہ یہ بھی مشرکوں سے خطاب ہو جس طرح اس سے پہلے اور اس کے بعد مشرکوں سے خطاب ہے اور یہ امر محال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں کو کہیں: وَ مَاۤ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَ لَا بِكُمْ یعنی آخرت میں میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے میں نہیں جانتا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے آغاز سے لے کر وصال تک یہی خبر دیتے کہ ”جو آدمی حالت کفر پر مرا ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور جو حالت ایمان پر مرا اتباع اور اطاعت کی وہ جنت میں ہوگا“۔ جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ منظر دیکھا تھا کہ آخرت میں اس کے ساتھ اور ان کے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے تو وہ کہیں گے: ہم تیری اتباع کیسے کریں جبکہ تو جانتا ہی نہیں کہ کیا تو خوشحالی

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، الدخول علی المیت بعد الموت، جلد 1، صفحہ 166

کی طرف لوٹے گا یا عذاب وعتاب کی طرف (لوٹے) گا۔

آیت کے بارے میں صحیح قول حضرت حسن بصری کا ہے جس طرح علی بن محمد بن جعفر بن حفص، یوسف بن موسیٰ سے وہ وکیع سے وہ ابوبکر ہذلی سے وہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے۔ ابوجعفر نے کہا: یہ سب سے صحیح اور اچھا قول ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے کہ آپ کو اور ان لوگوں کو مرض، صحت، نرمی، سختی، غنا اور فقر میں سے کیا کچھ لاحق ہونے والا ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ (اعراف:188)

واحدی اور دوسرے علماء نے کلبی سے وہ ابوصالح سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر آزمائشیں بڑھ گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ ایسے علاقہ کی طرف ہجرت کر رہے ہیں جہاں کھجوریں، درخت اور پانی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے صحابہ پر بیان کیا تو صحابہ خوش ہو گئے اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ مشرکوں کی جانب سے جس اذیت میں مبتلا ہیں اس سے آسودگی پا جائیں گے۔ پھر وہ تھوڑا عرصہ رکے رہے جس میں انہوں نے ہجرت کا منظر نہ دیکھا انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم کب اس علاقہ کی طرف ہجرت کریں گے جو آپ نے دیکھا تھا؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ۔ یعنی میں نہیں جانتا کہ جس جگہ کو میں نے خواب میں دیکھا اس کی طرف میں نکلوں گا یا نہیں۔ پھر کہا: یہ تو وہ چیز تھی جو میں نے خواب میں دیکھی میں تو اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے (1)، یعنی جس امر کی میں نے تمہیں خبر دی ہے وہ میری طرف وحی نہیں کی گئی۔ قشیری نے کہا: اس اعتبار سے اس آیت میں کوئی نسخ نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے جو فرائض مجھ پر، تم پر لازم کیے گئے ہیں میں انہیں نہیں جانتا۔ طبری نے کہا: اس کا معنی ہے میں نہیں جانتا کہ دنیا میں میرا اور تمہارا انجام کیا ہوگا، کیا تم ایمان لاؤ گے یا کفر کرو گے تمہیں جلدی عذاب آئے گا یا تم کو مہلت دی جائے گی۔

میں کہتا ہوں: یہ حضرت حسن بصری، سدی اور دوسرے علماء کے قول کا معنی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: میں نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا جہاں تک آخرت کا تعلق ہے تو اللہ کی پناہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوب جانتے تھے کہ آپ جنت میں ہیں (2)۔ جب آپ نے رسولوں سے میثاق لیا تھا، لیکن فرمایا: میں نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا کیا مجھے میری بستی سے نکال دیا جائے گا جس طرح انہیں ان کی بستیوں سے نکالا گیا تھا یا مجھے قتل کر دیا جائے گا جس طرح انہیں قتل کر دیا گیا تھا اور میں تمہارے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتا کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوگا کیا میری امت تصدیق کرنے والی ہوگی یا جھٹلانے والی ہوگی یا میری امت پر آسمان سے پتھروں کی بارش کی جائے گی یا انہیں زمین میں دھنسا دیا جائے گا، پھر یہ آیت نازل ہوئی ھُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (توبہ:33) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اس کا دین تمام ادیان پر غالب آئے گا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 170 2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 24

امت کے بارے میں فرمایا: وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ (انفال: 33) اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دے دی کہ وہ آپ کے ساتھ اور آپ کی امت کے ساتھ کیا کچھ کرنے والے ہیں۔ ان تمام تعبیروں کی بنا پر کوئی نسخ نہیں۔ الحمد للہ۔

ضحاک نے یہ بھی کہا ہے: وَ مَاۤ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَ لَا بِكُمْ کا معنی ہے میں نہیں جانتا کہ تمہیں کس چیز کا حکم دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ وہ مومنوں کو یہ کہہ دیں کہ میں نہیں جانتا کہ قیامت کے روز میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد میں وضاحت فرما دی: لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ (الفتح: 2) اس کے بعد مومنوں کی حالت کو بیان فرمایا پھر کافروں کی حالت کو بیان فرمایا۔

میں کہتا ہوں: یہ قول اول کا معنی ہے مگر اس میں نسخ کا ذکر بیان کے معنی میں کیا اور یہ حکم دیا کہ یہ مومنوں کو کہہ دیں۔ صحیح وہ ہے جو ہم نے حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء سے بیان کیا ہے۔ مَا يُفْعَلُ میں ما کے بارے میں جائز ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ موصولہ ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اسے استفہامیہ بنایا جائے اور یہ مرفوع ہو اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ وَ مَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ۝ اسے یوحی بھی پڑھا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ وحی کرتا ہے۔ اس کے بارے میں بحث کئی دفعہ پہلے گذر چکی ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَ اسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۝

"فرمایئے: کیا تم نے کبھی اس پر غور کیا کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو تم اس کا انکار کردو (تو اس کا کیا انجام ہوگا) حالانکہ گواہی دے چکا ہے ایک گواہ بنی اسرائیل سے اس کی مثل پر اور وہ ایمان بھی لے آیا اور تم نے تکبر کیا بیشک اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا ظالم لوگوں کو"۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کان میں ھو ضمیر سے مراد قرآن ہے وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ ضمیر غائب سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے؛ یہ امام شعبی کا قول ہے (1)۔

وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری، عکرمہ، قتادہ اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام ہیں (2)، آپ نے یہودیوں کے خلاف گواہی دی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر تورات میں ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبی ہیں۔ ترمذی میں ان سے روایت ہے کہا: میرے بارے میں کتاب اللہ کی آیات نازل ہوئیں میرے بارے میں یہ آیت وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ نازل ہوئی۔ سورۂ رعد کے آخر میں بھی گذر چکا ہے۔

مسروق نے کہا: اس آیت کا مصداق حضرت موسیٰ اور تورات ہے حضرت ابن سلام نہیں، کیونکہ آپ مدینہ طیبہ میں اسلام لائے جبکہ سورت مکی ہے۔ کہا: وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ یہ قریش سے خطاب ہے۔ شعبی نے کہا: اس سے مراد بنی اسرائیل میں سے وہ لوگ ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات پر ایمان لائے کیونکہ ابن سلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو سال قبل اسلام قبول کیا تھا، جبکہ سورت مکی ہے۔ قشیری نے کہا: جس نے کہا شاہد سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اس نے کہا سورت مکی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 273 2۔ ایضاً

ہے اور حضرت ابن سلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے دو سال قبل اسلام لائے۔ یہ بھی جائز ہے کہ آیت مدنی ہو اور اسے مکی سورت میں رکھا گیا ہو، کیونکہ آیت نازل ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے: ''اسے فلاں سورت میں رکھو''۔ آیت مشرکین سے دلیل کے ساتھ مدعا ثابت کرنے کے بارے میں ہے۔ دلیل کے ساتھ مقابلہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ بہت سے معاملات میں یہودیوں کی طرف رجوع کیا کرتے تھے ان کی شہادت مومنوں کے بارے میں ان کے نبی کی شہادت میرے بارے میں واضح ترین دلائل میں سے تھی۔ یہ بھی بعید نہیں کہ سورت یہودیوں کے ساتھ مناظرہ کی صورت میں ہو جب حضرت عبداللہ بن سلام مسلمان کی حیثیت میں آئے جبکہ یہودیوں کو ان کے اسلام کا علم نہ تھا عرض کی: یارسول اللہ! اپنے درمیان اور یہودیوں کے درمیان مجھے حکم بنائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے حضرت عبداللہ بن سلام کے بارے میں پوچھا: ''عبداللہ بن سلام تم میں کیسا آدمی ہے؟'' یہودیوں نے کہا: وہ ہمارا سردار اور ہمارا عالم ہے۔ آپ نے فرمایا: ''وہ تو مجھ پر ایمان لا چکا ہے'' تو یہودیوں نے حضرت عبداللہ بن سلام کی برائیاں کیں۔ یہ بھی بات پہلے گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہودی حضرت عبداللہ بن سلام کے فیصلہ پر راضی ہو گئے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: اگر اس نے آپ کے حق میں گواہی دی تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے۔ حضرت عبداللہ بن سلام سے پوچھا گیا: تو انہوں نے گواہی دے دی پھر اسلام قبول کر لیا۔

عَلٰی مِثْلِهٖ جو میں تمہارے پاس لایا ہوں اس کی مثل، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات پر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پر گواہی دی۔ جرجانی نے کہا: مثل کا لفظ زائد ہے پھر کلام اس طرح ہوگی شَهِدَ شَاهِدٌ علیه أنه مِنْ عِنْدِ الله۔

فَاٰمَنَ وہ گواہ ایمان لے آیا وَاسْتَكْبَرْتُمْ تم نے ایمان لانے سے تکبر کیا۔ اِنْ كَانَ کا جواب محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے فآمن اتؤمنون یہ زجاج کا قول ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ کیا تم نے ظلم نہیں کیا اللہ تعالیٰ اس کی وضاحت فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ، أفتؤمنون عذاب الله۔

اَرَءَيْتُمْ یہ ایسا لفظ ہے جو سوال اور استفہام کے لیے وضع کیا گیا ہے، اسی وجہ سے یہ مفعول کا تقاضا نہیں کرتا۔ نقاش اور دوسرے علماء نے یہ حکایت بیان کی ہے کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہے (2)، تقدیر کلام یہ ہوگی قل أرأیتم ان کان من عند الله وشهد شاهد من بنی اسرائیل فآمن هو وكفرتم إن الله لا یهدی القوم الظالمین۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ۭ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ۝۱۱

''اور کفار اہل ایمان کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر یہ (اسلام) کوئی بہتر چیز ہوتی تو یہ ہم سے سبقت نہ لے جاتے اس کی طرف اور کیونکہ انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوتی قرآن سے تو یہ اب ضرور کہیں گے کہ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 274 2۔ ایضاً

(اجی) یہ تو وہی پرانا جھوٹ ہے''۔

اس آیت کے سبب نزول میں اختلاف ہے اور چھ اقوال ہیں:

1۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں حضرت ابوذر غفاری کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے دعوت قبول کر لی ان کی قوم نے ان سے پناہ چاہی تو ان کا سردار آیا تو وہ بھی مسلمان ہو گیا پھر سردار نے قوم کو اسلام کی دعوت دی تو وہ بھی مسلمان ہو گئے یہ خبر قریش کو پہنچی انہوں نے کہا: بنو غفار تو حلیف لوگ ہیں اگر یہ دعوت خیر ہوتی تو بنو غفار ہم سے سبقت نہ لے جاتے تو یہ آیت نازل ہوئی؛ یہ ابو متوکل کا قول ہے۔

2۔ حضرت زنیرہ نے اسلام قبول کیا تو ان کی نظر خراب ہو گئی لوگوں نے کہا: لات وعزیٰ نے تیری نظر خراب کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نظر لوٹا دی قریش کے سرداروں نے کہا: (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو لائے ہیں اگر وہ بہتر ہوتا تو زنیرہ ہم سے اس کی طرف سبقت نہ لے جاتی، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا؛ یہ عروہ بن زبیر کا قول ہے۔

3۔ بنو عامر، بنو غطفان، بنو تمیم، بنو اسد، بنو حنظلہ اور بنو اشجع میں سے کافروں نے کہا: جو لوگ بنی غفار، بنی اسلم، بنی جہینہ، بنی مزینہ اور بنی خزاعہ سے اسلام لائے تو انہوں نے کہا: (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ لائے ہیں اگر اس میں کوئی بھلائی ہوتی تو گائے، بھیڑ، بکری کے بچوں کو چرانے والے ہم پر سبقت نہ لے جاتے کیونکہ ہم ان سے بہتر ہیں، یہ کلبی اور زجاج کا قول ہے؛ قشیری نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ آیت قریش کے مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی، انہوں نے کہا: (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جس امر کی ہمیں دعوت دیتے ہیں اگر وہ بہتر ہوتا تو بلال، صہیب، عمار، فلاں اور فلاں ہم پر سبقت نہ لے جاتے؛ یہ چوتھا قول ہے۔

5۔ یہودیوں میں سے کافروں نے اپنے میں سے مومنوں یعنی حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کے اصحاب کو کہا: اگر (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین حق ہوتا تو وہ ہم پر اس کی طرف سبقت نہ لے جاتے؛ یہ اکثر مفسرین کی رائے ہے۔ ثعلبی نے بھی یہ حکایت بیان کی ہے۔ مسروق نے کہا: کفار نے کہا اگر یہ بہتر ہوتا تو یہودی اس کی طرف ہم سے سبقت نہ لے جاتے؛ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

کفار کی جانب سے یہ معارضہ جو ان کے قول میں ہوتا: ''اگر یہ خیر ہوتا وہ ہم سے اس کی طرف سبقت نہ لے جاتے'' یہ بڑے معارضات میں سے ایک تھا کیونکہ یہ اس پر منطبق ہو جاتا جو ان سے مخالفت کرتا یہاں تک کہ یہ انہیں کہا جاتا: جس پر تم ہو اگر یہ بہتر ہوتا تو ہم اس سے نہ پھرتے اگر رسولوں کی تکذیب بہتر ہوتی تو تم ہم پر سبقت نہ لے جاتے (1)؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ پھر یہ کہا گیا: یہ قول مَا سَبَقُوْنَاۤ اِلَیْهِ اس کے بارے میں یہ جائز ہے کہ یہ کفار کا بعض مومنوں کے لیے قول ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ خطاب کے صیغہ سے غیبت کے صیغہ کی طرف خطاب ہو، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَتّٰۤی اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَیْنَ بِهِمْ (یونس: 22)

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 275

وَ اِذْ لَمْ یَهْتَدُوْا بِهٖ ہ ضمیر سے مراد ایمان ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: مراد قرآن حکیم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے (1)۔

فَسَیَقُوْلُوْنَ هٰذَاۤ اِفْكٌ قَدِیْمٌ۝ جب انہوں نے قرآن سے ہدایت حاصل نہ کی اور نہ اس سے جو اس قرآن کو لایا تو اس سے دشمنی کی اور اسے جھوٹ کی طرف منسوب کیا اور کہا: یہ پرانا جھوٹ ہے جس طرح انہوں نے اس کے بارے میں کہا: اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ۝ (الانعام) کسی سے پوچھا گیا: کیا قرآن میں بھی ہے جو آدمی کسی چیز سے ناواقف ہوتا ہے وہ اس سے دشمنی کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِذْ لَمْ یَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَیَقُوْلُوْنَ هٰذَاۤ اِفْكٌ قَدِیْمٌ۝ اس کی مثل ہے بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ یُحِیْطُوْا بِعِلْمِهٖ (یونس: 39)

وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ وَ هٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِیًّا لِّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۖۗ وَ بُشْرٰى لِلْمُحْسِنِیْنَ۝

''حالانکہ اس سے پہلے کتاب موسیٰ رہنما اور رحمت بن کر آچکی ہے، اور یہ کتاب (قرآن) تو اس کی تصدیق کرنے والی ہے عربی زبان میں ہے تاکہ بروقت خبردار کردے ظالموں کو، اور خوشخبری ہے نیکو کاروں کے لیے''۔

وَ مِنْ قَبْلِهٖ یعنی قرآن سے پہلے كِتٰبُ مُوْسٰۤى یعنی تورات اِمَامًا اس میں جو کچھ ہے اس کی اقتدا کی جاتی ہے وَّ رَحْمَةً اللہ تعالیٰ کی جانب سے رحمت ہے۔ کلام میں حذف ہے یعنی تم اس سے ہدایت نہ پاؤ گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تورات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور آپ پر ایمان لانے کا ذکر ہے تو انہوں نے اسے ترک کیا۔ اِمَامًا حال کی حیثیت سے منصوب ہو گا، کیونکہ معنی ہے اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب بطور امام گزر چکی ہے وَّ رَحْمَةً اس اِمَامًا پر معطوف ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی أنزلناہ إماما و رحمة۔ اخفش نے کہا: ماقبل سے الگ ہونے کی بنا پر منصوب ہے کیونکہ کتاب موسیٰ اضافت کی وجہ سے معرفہ ہے، کیونکہ نکرہ کو جب دوبارہ ذکر کیا جائے یا اسے مضاف کیا جائے یا اس پر الف لام داخل کر دیا جائے تو وہ معرفہ ہو جاتا ہے۔

وَ هٰذَا كِتٰبٌ مراد قرآن ہے مُّصَدِّقٌ یہ تورات اور اس سے قبل کی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والی ہے۔ لِّسَانًا عَرَبِیًّا یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، یعنی عربی ہوتے ہوئے سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ لِّسَانًا یہ حال کی تمہید کے لیے ہے یعنی تاکید ہے جس طرح تیرا قول ہے: جاءنی زید رجلا صالحا تو تو رجلا کو تاکید کے طور پر ذکر کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فعل کے مضمر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، تقدیر کلام یہ ہوئی: ھذا کتاب مصدق اعنی لسانا عربیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حرف جار کے حذف کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر کلام یہ ہے بلسان عربی۔ ایک قول یہ کیا گیا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 275

ہے کہ لفظ لسان مفعول بہ ہے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے تقدیر کلام یہ ہے ھذا کتاب مصدق للنبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ کتاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والی ہے کیونکہ یہ آپ کا معجزہ ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی یہ عربی زبان والے کی تصدیق کرنے والی ہے۔ لفظ لسان مصدق کی وجہ سے منصوب ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ یہ قول بعید ہوگا کہ لسان سے مراد قرآن لیا جائے کیونکہ اس صورت میں معنی ہوگا وہ اپنی ذات کی تصدیق کرتا ہے۔

لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عام قراءت لِّيُنْذِرَ ہے یہ کتاب کے بارے میں خبر دے رہی ہے یعنی جن لوگوں نے کفر اور معصیت کے ساتھ اپنی جانوں پر ظلم کیا انہیں یہ کتاب خبردار کرنے والی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خبر دے رہی ہے۔ نافع، ابن عامر اور بزی نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابوعبید اور ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرُ (النازعات: 45)

وَ بُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ۝ بشریٰ محل رفع میں ہے یعنی ھو بشریٰ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا عطف کتاب پر ہے یعنی ھذا کتاب مصدق و بشریٰ یہ بھی جائز ہے کہ حرف جار کے حذف کی وجہ سے منصوب ہو تقدیر کلام یہ ہوگی لینذر الذین ظلموا وللبشریٰ جب حرف جار کو حذف کیا تو اسے نصب دی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے تقدیر کلام یہ ہوگی تبشر المحسنین بشریٰ جب اسے وتبشر بشریٰ أو بشارۃ کی جگہ رکھا تو اسے نصب دی، جس طرح تو کہتا ہے: اتیتک لأزورک وکرامۃ لک وقضاء لحقک معنی ہوگا میں تیری ملاقات کروں گا میں تیری عزت کروں گا اور تیرا حق ادا کروں گا۔ کرامۃ کے لفظ کو فعل مضمر کی وجہ سے نصب دی گئی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

"بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے پس کوئی خوف نہیں انہیں اور نہ غمگین ہوں گے، یہی لوگ جنتی ہیں، ہمیشہ رہیں گے اس میں، یہ جزاء ہے ان نیکیوں کی جو وہ کیا کرتے تھے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی (1)۔ آیت عام ہے جَزَآءً مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے۔

وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَ حَمْلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلٰى وَالِدَيَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 275

''اور ہم نے حکم دیا انسان کو کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے، (اپنے شکم میں) اٹھائے رکھا اس کو اس کی ماں نے بڑی مشقت سے اور جنا اس کو بڑی تکلیف سے، اور اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے تک تیس مہینے لگ گئے یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہو گیا تو اس نے عرض کی: اے میرے رب! مجھے والہانہ توفیق عطا فرما کہ میں شکر ادا کرتا رہوں تیری اس نعمت کا جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی اور میں ایسے نیک کام کروں جن کو تو پسند فرمائے اور صلاح (ورشد) کو میرے لیے میری اولاد میں راسخ فرما دے بیشک میں توبہ کرتا ہوں تیری جناب میں اور میں تیرے حکم کے سامنے سر جھکانے والوں میں سے ہوں''۔

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا انسان کی اپنے والدین کے ساتھ حالت کے اختلاف کو بیان کیا کبھی وہ ان دونوں کی اطاعت کرتا ہے اور کبھی ان کی مخالفت کرتا ہے اس کی مثل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم میں بعید نہیں یہاں تک کہ ان میں سے بعض آپ کی دعوت کو قبول کریں اور بعض انکار کریں یہ کلام کے بعض سے اتصال کی صورت ہے؛ یہ قشیری کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ حسنا عام قراءت حُسنا ہے۔ اہل حرمین، اہل بصرہ، اور اہل شام کے مصاحف میں بھی اسی طرح ہے۔ حضرت ابن عباس اور کوفیوں نے اسے اِحْسَانًا پڑھا ہے ان کی حجت سورۃ الانعام اور بنی اسرائیل میں ہے۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (بقرہ:83) کوفہ کے مصاحف میں اسی طرح ہے(1)۔ پہلی قراءت کی حجت اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان ہے جو سورۂ عنکبوت میں ہے وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا۔ اس میں قراء نے اختلاف نہیں کیا۔ حسن، قبح کا خلاف ہے احسان، اساءۃ کے خلاف ہے توصیۃ کا معنی حکم دینا ہے اس بارے میں اور جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی گفتگو گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا یہاں باء حرف جار حذف ہے اصل میں بکرہ و مشقۃ تھا عام قراءت کاف کے فتحہ کے ساتھ ہے، ابو عبید نے اسے پسند کیا، کہا: اسی طرح لفظ کرہ پورے قرآن میں فتحہ کے ساتھ ہے مگر وہ جو سورۂ بقرہ میں ہے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ کیونکہ وہ اسم ہے اور یہ تمام مصادر ہیں۔ کوفیوں نے کُرْهًا ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دونوں لغتیں ہیں، جس طرح ضُعف، ضَعف اور شُهد، شَهد ہے۔ یہ کسائی کا قول ہے تمام بصریوں کے نزدیک یہ اسی طرح ہے۔ کسائی نے بھی یہ کہا ہے۔ فراء نے دونوں میں فرق کیا ہے کہ کرہ جب ضمہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد وہ تکلیف ہوتی ہے جو انسان اپنی ذات پر برداشت کرتا ہے اور فتحہ کے ساتھ وہ ہوتی ہے جو غیر پر لازم کرتا ہے۔ اس سے مراد قہر اور غضب ہے، اسی وجہ سے بعض عربوں نے کہا: کرھا یہ غلط ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب وہ نو ماہ تک حاملہ رہے تو وہ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 275

اکیس ماہ تک دودھ پلائے اگر وہ چھ ماہ تک حاملہ رہے تو چوبیس ماہ تک دودھ پلائے (1)۔ یہ روایت کی گئی کہ حضرت عثمان بنی‌تنہ کی خدمت میں ایک عورت لائی گئی جس نے چھ ماہ میں بچہ جن دیا تھا۔ آپ نے ارادہ کیا کہ اس پر حد جاری کریں۔ حضرت علی شیر خدا بنی‌تنہ نے کہا: یہ اس پر لازم نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَحَمْلُهُ وَفِصْلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ (بقرہ:233)۔ دودھ پلانے کی مدت چوبیس ماہ اور حاملہ کی مدت چھ ماہ ہے۔ حضرت عثمان بنی‌تنہ نے اپنے فیصلہ سے رجوع کر لیا اور اس پر حد جاری نہ کی۔ سورۂ بقرہ میں بھی یہ بحث گذر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ نے حمل کے ابتدائی تین ماہ کو شمار نہیں کیا کیونکہ ان تین مہینوں میں وہ نطفہ، علقہ اور مضغہ ہوتا ہے اس کا کوئی بوجھ نہیں ہوتا جس کو محسوس کیا جائے، اللہ تعالیٰ کے فرمان: فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ (اعراف:189) فصال کا معنی دودھ چھڑانا ہے۔ سورۂ لقمان میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ حضرت حسن بصری یعقوب اور دوسرے علماء نے وفصلہ پڑھا ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ آیت حضرت ابوبکر صدیق بنی‌تنہ کے بارے میں نازل ہوئی ان کا حمل اور دودھ چھڑانے کا عرصہ تین سال تھا ان کی ماں نے انہیں نو ماہ تک رحم میں اٹھایا اور اکیس ماہ تک دودھ پلایا، کلام میں اضمار ہے یعنی مدۃ حملہ و مدۃ فصالہ ثلاثون شھرا ان کے حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ تھی۔ اگر یہ اضمار نہ ہوتا تو ثلاثین کی ظرف کی وجہ سے نصب دی جاتی اور معنی بدل جاتا۔

مسئلہ نمبر 5۔ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ مدت اٹھارہ سال ہے عطا نے ان سے جو روایت کی وہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست بنے جبکہ ان کی عمر اٹھارہ سال تھی جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بیس سال تھی، یہ لوگ تجارت کے لیے شام کا ارادہ رکھتے تھے وہ ایک جگہ اترے جس میں بیری کا درخت تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سائے میں بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق ایک راہب کے پاس گئے تا کہ اس سے دین کے بارے میں کوئی بات پوچھیں۔ راہب نے کہا: اس درخت کے سائے میں کون ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق نے کہا: وہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں۔ اس راہب نے کہا: اللہ کی قسم! وہ نبی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی آدمی اس درخت کے نیچے سایہ حاصل کرنے کے لیے نہیں بیٹھا۔ حضرت ابوبکر صدیق کے دل میں یقین اور تصدیق بیٹھ گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق سفر و حضر میں جدا نہیں رہتے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا جبکہ آپ کی عمر مبارک چالیس سال تھی حضرت ابوبکر صدیق بنی‌تنہ نے آپ کی تصدیق کی جبکہ آپ کی عمر مبارک اڑتیس سال تھی۔ جب چالیس سال کے ہوئے تو دعا کی رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ (نمل:19) امام شعبی اور ابن زید نے کہا: الاشد سے مراد حلم ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد چالیس سال کی عمر کو پہنچنا ہے۔ اسی سے اس امر پر دلیل قائم کی جاتی ہے۔ سورۃ الانعام میں اس بارے میں گفتگو گذر چکی ہے۔ سدی اور ضحاک نے کہا: یہ آیت حضرت سعد بن ابی وقاص کے حق میں نازل ہوئی۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ عام ہے اور عموی حکم لے کر آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 276

مسئلہ نمبر 6۔ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ یعنی مجھے الہام کیجئے۔ اَنْ اَشْكُرَ یہ محل نصب میں ہے جو مفعول مطلق کے قائم مقام ہے تقدیر کلام یہ ہوگی اوزعنی شکر نعمتك۔ عَلَیَّ جو تو نے ہدایت کی صورت میں مجھ پر انعام فرمایا ہے عَلٰى وَالِدَیَّ یعنی میرے والدین پر شفقت فرمائی یہاں تک کہ انہوں نے میری چھوٹی عمر میں تربیت کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تو نے مجھ پر صحت و عافیت کے ساتھ انعام فرمایا اور میرے والدین پر غنا اور ثروت کے ساتھ انعام فرمایا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ نے کہا: یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی ان کے دونوں والدین مسلمان ہوئے۔ مہاجرین میں سے آپ کے علاوہ کسی کو یہ شرف حاصل نہ ہوا کہ اس کے والدین مسلمان ہوئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان دونوں کے بارے میں تاکیدی حکم دیا اور آپ کے بعد ہر کسی کے لیے یہ حکم لازم ہو گیا۔ ان کے والد حضرت ابو قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم تھے۔ ان کی والدہ ام الخیر تھی اس کا نام سلمیٰ بنت صخر بن عامر بن کعب بن سعد تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق کی دادی کا نام قیلہ تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق کی بیوی کا نام قتیلہ تھا جو عبد العزیٰ کی بیٹی تھی۔

وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کی تو آپ نے ان نو غلاموں کو آزاد کیا جن کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی وجہ سے عذاب دیا جا رہا تھا، ان میں حضرت بلال، حضرت عامر بن فہیرہ بھی تھے۔ آپ نے بھلائی میں سے کسی چیز کی دعا نہیں کی مگر اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کی مدد کی۔

صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''آج تم میں سے کون روزے سے ہے؟'' (1) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں۔ پوچھا: ''آج تم میں سے کس نے نماز جنازہ پڑھی؟'' حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں نے۔ فرمایا: ''آج تم میں سے کس نے مسکین کو کھانا کھلایا؟'' حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں نے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ امور کسی انسان میں جمع نہیں ہوتے مگر وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے''۔

مسئلہ نمبر 7۔ وَ اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ یعنی میری ذریت کو صالحین میں سے بنا دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت ابو بکر صدیق کی اولاد اور والدین میں سے کوئی بھی نہ رہا مگر وہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک پر ایمان لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے حضرت ابو بکر صدیق کے سوا کوئی بھی ایسا نہ تھا جو خود، اس کے والدین، اس کے بچے اور بچیاں صحابی ہوں۔

سہل بن عبد اللہ نے کہا: معنی ہے انہیں میرا اچھا نائب اور تیرا سچا بندہ بنا دے (2)۔ ابو عثمان نے کہا: انہیں میرے ساتھ حسن سلوک کرنے والا اور اپنا اطاعت گزار بنا دے۔

ابن عطا نے کہا: انہیں ایسے اعمال صالح کی توفیق دے جن کے ساتھ تو ان پر راضی ہو جائے۔ محمد بن علی نے کہا: شیطان، نفس اور خواہش کو تو ان پر غلبہ نہ دے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، فصل من ضم الی صدقۃ غیرھا من انواع البر، جلد 1، صفحہ 330

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 278

مالک بن مغول نے کہا: ابو معشر نے اپنے بیٹے کی شکایت حضرت طلحہ بن مصرف سے کی۔ فرمایا: اس آیت سے اس کے خلاف مدد طلب کر۔ اور یہ آیت پڑھی رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۝ - اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ یعنی میں نے اس امر سے رجوع کر لیا جس میں میں تھا۔ وَ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۝ یعنی میں توحید میں مخلص ہوں۔

اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ فِیْۤ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ۝

"یہی وہ (خوش نصیب) ہیں قبول کرتے ہیں ہم جن کے بہترین اعمال کو اور درگزر کرتے ہیں ہم جن کی برائیوں سے یہ جنتیوں میں سے ہوں گے، یہ (اللہ کا) سچا وعدہ ہے جو (اہل ایمان سے) کیا گیا ہے"۔

اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ عام قراء کی قراءت یتقبل ہے اسی طرح یتقبل اور یتجاوز یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے دونوں میں ضمیر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ حفص، حمزہ اور کسائی نے نتقبل اور نتجاوز دونوں میں نون کے ساتھ پڑھا ہے یعنی ہم انہیں بخش دیتے اور درگزر سے کام لیتے ہیں۔ تجاوز کا اصل معنی ہے جزت الشیء یہ اس وقت کہتے ہیں جب تو اس چیز پر سے گزر جائے۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اس سے پہلے آیت وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ آخر تک کسی کے ساتھ مقید نہیں بلکہ مومن کے لیے نازل ہوئی ہے؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ معنی ہے ہم ان کی نیکیاں قبول کرتے ہیں اور ان کی سیئات سے درگزر کرتے ہیں۔

زید بن اسلم نے کہا: وہ اسے مرفوع نقل کرتے ہیں: جب وہ اسلام لائیں گے تو ان کی نیکیاں قبول ہوں گی اور برائیاں بخش دی جائیں گی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: احسن سے مراد طاعات میں سے وہ اعمال ہیں جو ثواب کا تقاضا کرتے ہیں۔ حسن مباح میں نہ ثواب ہے اور نہ عقاب ہے؛ یہ ابن عیسیٰ نے بیان کیا ہے (2)۔

فِیْۤ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ۔ فی، مع کے معنی میں ہے یعنی جنتیوں کے ساتھ، تو کہتا ہے: اکرمك واحسن الیك فی جمیع اهل البلد یہاں بھی فی، مع کے معنی میں ہے۔

وَعْدَ الصِّدْقِ یہ منصوب ہے کیونکہ یہ مفعول مطلق ہے اور ماقبل کی تاکید کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے وعدہ کیا ہے کہ محسن کی نیکیاں قبول کرے اور گناہ گار سے درگزر کرے، یہ سچا وعدہ ہے۔ یہ اضافة الشیء الی نفسه کے باب سے ہے، کیونکہ صدق وہ وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے کیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: حَقُّ الْیَقِیْنِ۝ (الواقعہ) کی طرح ہے۔ یہ کوفیوں کی رائے ہے، جہاں تک بصریوں کا تعلق ہے اس کی تقدیر یہ ہے۔ وعد الکلام الصدق او الکتاب الصدق تو موصوف کو حذف کر دیا گیا ہے۔ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ۝ یعنی دنیا میں رسولوں کی زبانوں پر ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ اس سے مراد جنت ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 279　　2۔ ایضاً

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَ قَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ ۚ وَ هُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ ۖۗ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚۖ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِیْنَ ۝

''اور جس نے کہا اپنے والدین کو: افسوس ہے تمہارے حال پر کیا تم مجھے دھمکی دیتے ہو اس کی کہ میں (قبر سے) نکالا جاؤں گا حالانکہ گذر چکی ہیں کئی صدیاں مجھ سے پہلے (ان میں سے تو کوئی اب تک زندہ نہ ہوا) اور اس کے والدین بارگاہ الٰہی میں فریاد کرتے ہیں (اور اسے کہتے ہیں) تیرا خانہ خراب ہو ایمان لے آ یقینا اللہ کا وعدہ سچا ہے تو وہ ''جوابا'' کہتا ہے: نہیں ہیں یہ دھمکیاں مگر پہلے لوگوں کی فرسودہ کہانیاں، یہی وہ (بدبخت) ہیں جن پر ثابت ہو چکا ہے عذاب کا فرمان ان گروہوں میں جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں جنوں اور انسانوں میں سے، بے شک وہ سراسر گھاٹے میں تھے''۔

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ، أن أخرج یعنی مجھے دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ وَ قَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ نافع، حفص اور دوسرے قراء نے اف مکسور اور منون پڑھا ہے ابن کثیر، ابن محیصن، ابن عامر اور مفضل نے عاصم سے اف تنوین کے بغیر مفتوح منقول ہے باقی قراء نے کسرہ کے ساتھ تنوین کے بغیر پڑھا ہے۔ یہ تمام لغتیں ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل میں یہ بات گذر چکی ہے عام قراءت اَتَعِدٰنِنِیْۤ مخففہ نونوں کے ساتھ ہے۔ اہل مدینہ اور اہل مکہ نے اس کی یاء کو فتحہ دیا ہے، باقی قراء نے اسے ساکن پڑھا ہے۔

ابوحیوہ، مغیرہ اور ہشام نے أتعدانی نون مشددہ کے ساتھ پڑھا ہے اہل شام کے مصاحف میں اسی طرح ہے عام قراءت ان کے ضمہ اور راء کے فتحہ کے ساتھ ہے اَنْ اُخْرَجَ حضرت حسن بصری، نصر، ابوعالیہ، اعمش اور ابو معمر نے الف کے فتحہ اور راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس، سدی، ابوالعالیہ اور مجاہد نے کہا: یہ آیت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی (1)۔ عبداللہ کے والدین اسے اسلام کی طرف دعوت دیتے تو وہ اپنے والدین کو وہ جواب دیتا جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے دی۔ قتادہ اور سدی نے یہ بھی کہا ہے: وہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر تھے وہ ان کے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ عبدالرحمٰن کے والد، اس کی والدہ حضرت ام روحان اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے تھے اور دوبارہ اسے اٹھانے کی دعوت دیتے تھے تو وہ اپنے والدین کو وہ جواب دیتا جس کی اللہ تعالیٰ نے وصیت بیان کی ہے، یہ اس کے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس امر کا انکار کیا ہے کہ یہ آیت حضرت عبدالرحمٰن کے بارے میں نازل ہو۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ نے بھی یہ کہا: یہ ایک ایسے بندے کی صفت ہے جو کافر تھا اور اپنے والدین کا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 279

نافرمان تھا۔ زجاج نے کہا: یہ بات کیسے کہی جاسکتی ہے کہ یہ آیت حضرت عبدالرحمٰن کے بارے میں اسلام لانے سے قبل نازل ہوئی جبکہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے: اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ قول سے مراد عذاب ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ ایمان نہ ہو جبکہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر مومنوں میں سے بڑی فضیلت کے حامل تھے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ آیت ایسے کافر بندے کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنے والدین کا نافرمان تھا۔

محمد بن زیاد نے کہا: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مروان بن حکم کی طرف خط لکھا کہ لوگوں سے یزید کے لیے بیعت لیں تو حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے کہا: تم نے ہرقل والا کام کیا ہے کیا تم اپنے بیٹوں کے لیے بیعت لیتے ہو؛ مروان نے کہا: یہ عبدالرحمٰن وہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ کہا: اللہ کی قسم! وہ عبدالرحمٰن نہیں اگر میں چاہوں تو میں اس کا نام بھی لے دوں لیکن اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ پر لعنت کی جبکہ تو اس کی پشت میں تھا۔ تو اللہ تعالیٰ کی لعنت کا ایک حصہ ہے۔ مہدوی نے کہا: جس نے یہ کہا کہ یہ آیت حضرت عبدالرحمٰن کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو اس نے اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ سے یہ مراد لیا ہے کہ یہ اس کے متعلق ہے جو وہ اعتقاد رکھتا ہو جس کا ذکر پہلے ہو چکا تھا۔ آیت کا ابتدائی حصہ خاص ہے اور آخری حصہ عام ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن نے جب یہ کہا: وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ اس کے ساتھ اس نے یہ بھی کہا تھا تو پھر عبداللہ بن جدعان، عثمان بن عمرو، عامر بن کعب اور قریش کے مشائخ کہاں ہیں یہاں تک کہ میں ان سے پوچھوں کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ تو اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ ان لوگوں کی طرف لوٹتا ہے۔

میں کہتا ہوں: حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے بارے میں واقعہ سورۂ انعام کی آیت: لَهٗۤ اَصْحٰبٌ یَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى (انعام: 71) میں گزر چکا ہے جو اس آیت کے حضرت عبدالرحمٰن کے بارے میں نازل ہونے پر دلالت کرتا ہے جب وہ کافر تھے اور اسلام لانے اور اپنی فضیلت کے باعث وہ اس کلام اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ کا مصداق نہ رہے۔

وَهُمَا یعنی اس کے والدین یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ دونوں اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے لیے ہدایت کی التجا کرتے ہیں یا کفر سے چھٹکارا کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہیں۔ جب حرف جار کو حذف کر دیا اور مفعول فعل کے ساتھ مل گیا تو اسے نصب دے دی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا: استغاثہ سے مراد دعا ہے تو باء کی ضرورت ہی نہیں۔ فراء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کو قبول کیا۔ وَیْلَكَ اٰمِنْ تو ہلاک ہو ایمان لے آ اور دوبارہ اٹھائے جانے کی تصدیق کر۔ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اس میں خلاف ورزی کی کوئی صورت نہیں۔ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ وہ کہتا ہے جو اس کے والدین کہتے ہیں: نہیں ہیں یہ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ مگر پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں اور جن کو انہوں نے لکھا ہے جبکہ ان کی کوئی اصل نہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ یعنی وہ لوگ جن کی طرف ابن ابی بکر نے اپنے قول میں اشارہ کیا تھا میرے لیے قریش کے مشائخ کو زندہ کرو وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ یہاں بھی وہی مراد ہیں جہاں تک حضرت ابوبکر صدیق کے بیٹے عبداللہ یا عبدالرحمٰن کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں ان کے باپ کی دعا قبول کر لی وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ جس طرح

پہلے گذر چکا ہے۔

حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ کا معنی ہے ان پر عذاب لازم ہو چکا یہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ھولاء فی الجنۃ ولا آبالی وھولاء فی النار ولا آبالی یہ لوگ جنت میں ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں اور یہ لوگ جہنم میں ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔

فِيْٓ اُمَمٍ یہاں فی مع کے معنی میں ہے قَدْ خَلَتْ یعنی گذر چکے ہیں۔ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ یعنی کافر جن وانس میں سے۔ اِنَّهُمْ وہ کافر اتنیں كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے خسارہ پانے والوں میں سے تھے؛ یعنی ان کی سعی ضائع ہوگئی اور جنت کو حاصل نہ کر سکے۔

وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَ لِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

''اور ہر ایک کے لیے مرتبے ہوں گے ان کے اعمال کے مطابق اور اللہ تعالیٰ پورا پورا دے گا انہیں ان کے اعمال کا بدلہ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا''۔

وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ جنوں اور انسانوں میں سے مومنوں اور کافروں کی دونوں جماعتوں میں سے ہر ایک کے قیامت کے روز اعمال کے مطابق مراتب ہوں گے۔ ابن زید نے کہا: اس آیت میں جہنمیوں کے درجات نچلی جانب اور جنتیوں کے درجات اوپر کی جانب جاتے ہیں (1)۔ وَ لِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ ابن کثیر، ابن محیصن، عاصم، ابو بکر اور یعقوب نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے، باقی قراء نے اسے نون کے ساتھ پڑھا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ کی طرف لوٹایا ہے؛ یہ ابو عبید کا پسندیدہ مسلک ہے۔

وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ یعنی گناہ گار پر عذاب میں زیادتی اور نیکوکار کے ثواب میں کمی نہیں کی جائے گی۔

وَ يَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَ اسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ۝

''اور جس روز لا کر کھڑا کر دیا جائے گا کفار کو آگ کے سامنے (تو انہیں کہا جائے گا) تم نے ختم کر دیا تھا اپنی نعمتوں کا حصہ اپنی دنیوی زندگی میں اور خوب لطف اٹھایا تھا تم نے ان سے آج تمہیں رسوائی کا عذاب دیا جائے گا بوجہ اس گھمنڈ کے جو تم زمین میں ناحق کیا کرتے تھے اور بوجہ تمہاری نافرمانیوں کے''۔

وَ يَوْمَ يُعْرَضُ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم انہیں یاد دلایئے جس روز انہیں پیش کیا جائے گا۔ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ یعنی جہنم سے پردہ ہٹا دیا جائے گا انہیں آگ کے قریب کیا جائے گا اور وہ اس کی طرف دیکھیں گے۔

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 26

اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ یعنی انہیں کہا جائے گا اَذْهَبْتُمْ قول مضمر ہے۔ حضرت حسن بصری، نصر ابو العالیہ، یعقوب اور ابن کثیر نے أأذهبتم دو ہمزہ مخففہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے ایک ہمزہ کے ساتھ بغیر مد کے جملہ خبریہ کی صورت میں پڑھا ہے۔ یہ سب فصیح لغتیں ہیں۔ اس کا معنی شرمندہ ہونا ہے عرب استفہام کے ساتھ اور استفہام کے بغیر شرمندہ کرتے ہیں۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

ابو عبید نے استفہام کے ترک کو اختیار کیا ہے کیونکہ ائمہ سبعہ میں سے یہ اکثر کی قراءت ہے یعنی نافع، عاصم، ابو عمرو، حمزہ اور کسائی ساتھ ہی ساتھ ان کے ساتھ شیبہ، زہری، ابن محیصن، مغیرہ بن ابی شہاب، یحییٰ بن حارث، اعمش، یحییٰ بن وثاب اور دوسرے قراء ہیں یہی وہ قراء ہیں جن کی قراءت پر اکثر لوگوں کو اتفاق ہے۔ استفہام کا ترک کرنا احسن ہے کیونکہ ہمزہ کا اثبات اس امر کا وہم دلاتا ہے کہ انہوں نے یہ عمل نہیں کیا تھا، جس طرح تو کہتا ہے: أنا ظلمتك؟ تو اس سے تو یہ ارادہ کرتا ہے کہ میں نے تجھ پر ظلم نہیں کیا۔ ہمزہ کو ثابت رکھنا بھی اچھا ہے ایک کہنے والا کہتا ہے: ذهبت فعلت كذا وہ توبیخ کرتا ہے اور کہتا ہے: اذهبت فعلت یہ سب صورتیں جائز ہیں۔ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ تم دنیا میں پاکیزہ چیزوں سے لطف اندوز ہوتے رہے اور تم نے شہوات اور لذات کی پیروی کی، مراد نافرمانیاں ہیں۔

فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ یعنی ذلت و رسوائی کا عذاب۔ مجاہد نے کہا: ھون سے مراد ھوان ہے (1)۔ قتادہ نے کہا: یہ قریش کی لغت کے مطابق ہے۔

بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ یعنی اس کے باعث تم اہل زمین پر ناحق بلند مرتبہ چاہتے تھے وَ بِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ۠ اس کے باعث کہ تم اپنے افعال میں بغاوت اور ظلم کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ یعنی تم نے اپنی جوانی کفر اور معاصی میں فنا کر دی۔ ابن بحر نے کہا: طیبات سے مراد جوانی اور قوت ہے (2)؛ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے ذهب أطيباه؛ یعنی اس کی جوانی اور قوت ختم ہوگئی۔ ماوردی نے کہا: میں نے ضحاک کو پایا کہ اس نے بھی یہی معنی کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول زیادہ نمایاں ہے۔ حضرت حسن بصری نے آصف بن قیس سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: میں عیش و نشاط کی زندگی کو سمجھتا ہوں اگر میں چاہتا تو کلیجی، بھنا ہوا گوشت، باریک روٹی اور چٹنی بناتا لیکن میں اپنی نیکیوں کو باقی رکھنا چاہتا ہوں بے شک اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی یہ صفت بیان کی ہے اور کہا ہے (3): اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَ اسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا۔

ابو عبید نے حضرت عمر کی حدیث میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں: لو شئت لدعوت بصلائق وصناب وكراكر وأسنمة (4) ایک حدیث میں ہے وأفلاذ۔ ابو عمرو اور دوسرے علماء نے کہا: الصلاء مد اور کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی بھنا ہوا گوشت ہے۔ اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اسے آگ پر بھونا جاتا ہے الصلاء کا معنی صلاء النار بھی ہے اگر تو صاد کو فتحہ دے

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 28　2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 281　3۔ ایضاً　4۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 305

گا تو آخر میں الف مقصورہ ہوگا اور تو کہے گا: صَلَی النارِ۔ صناب وہ چٹنی جو رائی اور کشمش سے بنائی جاتی ہے۔ اور عمرو نے کہا: اسی وجہ سے برذون کو صنابی کہتے ہیں کیونکہ اس کا رنگ اس کے مشابہ ہوتا ہے کہا: سلائق جب سین کے ساتھ ہو تو اس سے مراد سبزی وغیرہ میں سے ابلی ہوئی چیز ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ لفظ صاد کے ساتھ ہے؛ جریر نے کہا:

تُكَلِّفُنِي معيشةَ آلِ زيدٍ ومَن لي بالصَّلائقِ والصِّنابِ

تو مجھے آل زید کی زندگی کا مکلف بناتا ہے تو کون میرے لیے پتلی روٹی اور بھنے گوشت کا اہتمام کرے گا۔

الصلائق سے مراد پتلی چوڑی روٹی ہے۔ یہ بحث سورۃ الاعراف میں گزر چکی ہے جہاں تک کراکر کا تعلق ہے تو اس سے مراد کراکر ابل ہے اس کا واحد کرکرۃ ہے جو معروف ہے یعنی سینہ؛ یہ ابوعبید کا قول ہے۔ صحاح میں ہے الکرکرۃ رحی زور البعیر یعنی اونٹ کے سینے کی چکی ہے۔ یہ پانچ ثفنات (☆) میں سے ایک ہے۔ کرکرہ کا معنی لوگوں کی جماعت ہے۔ ابومالک عمرو بن کرکرہ علماء لغت میں سے ایک ہے۔ ابوعبید نے کہا جہاں تک افلاذ کا تعلق ہے اس کا واحد فلذ ہے یہ جگر کا ایک ٹکڑا ہے۔ اعشی نے کہا:

تَكْفِيهِ حُزَّةُ فِلْذٍ إنْ ألَمَّ بها مِنَ الشِّواءِ ويُرْوِي شُرْبَهُ الغُمَرُ

اگر وہ اس کے ہاں اترے گا تو بھنے ہوئے جگر کا ایک ٹکڑا اس کے لیے کافی ہوگا اور چھوٹے پیالے کا مشروب اسے سیراب کردے گا۔

قتادہ نے کہا: ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں چاہتا تو میں تم سے سب سے اچھے کھانے والا ہوتا اور سب سے نرم لباس پہننے والا ہوتا لیکن میں اپنی نیکیاں آخرت کے لیے باقی رکھنے والا ہوں (1)۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام تشریف لائے تو آپ کے لیے کھانا تیار کیا گیا جس کھانے جیسا آپ نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا فرمایا: یہ ہمارے لیے ہے، تو ان مسلمان فقراء کا کیا ہوگا جو فوت ہو گئے اور جو کی روٹی سے بھی کبھی سیر نہ ہوتے تھے۔ حضرت خالد بن ولید نے عرض کی: ان کے لیے جنت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں فرمایا: اگر ہمارے حصہ میں دنیا میں سے یہ ٹکڑے ہیں اور وہ اپنے حصہ کی جنت میں چلے گئے ہیں تو وہ تو ہم سے بہت دور چلے گئے ہیں۔

صحیح مسلم اور دوسری احادیث کی کتب میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بالائی منزل کے ایک کمرہ میں تشریف فرما تھے یہ اس دور کا واقعہ ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوجہ ہوئے تو کوئی چیز نہ دیکھی جو نظر کو لوٹاتی مگر چمڑے تھے جن پر نمک لگایا گیا تھا جن کی بو سی پھیل رہی تھی (2)۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ کے رسول اور اللہ کے منتخب ہیں۔ یہ کسریٰ اور قیصر ہیں جو دیباج و حریر میں ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے بیٹھ گئے فرمایا: ''اے ابن خطاب! تو شک میں

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 305   2۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، بیان ان تخییرہ امراتہ لایکون طلاقاً الا بالنیۃ، جلد 1، صفحہ 482

☆ ثفنہ کی جمع ہے ثفنہ سے مراد اونٹ کے بدن کا وہ حصہ ہوتا ہے جو بیٹھتے وقت زمین پر لگے۔

بتاتا ہے؟ وہ ایسے لوگ ہیں جن کی عمدہ چیزیں دنیا میں ہی جلدی ان تک پہنچ گئی ہیں"۔ میں نے عرض کی: میرے لیے بخشش طلب کیجئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا کی: اے اللہ! اسے بخش دے۔

حضرت حفص بن ابی العاص نے کہا: میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا کھایا کرتا جو کی روٹی اور زیتون، روٹی اور سرکہ، روٹی اور دودھ، روٹی اور گوشت کے خشک ٹکڑے ہوتے بہت ہی کم ایسا ہوتا کہ تازہ گوشت ہوا کرتا۔ آپ فرمایا کرتے: آٹے کو چھانا نہ کرو کیونکہ یہ سارے کا سارا کھانا ہے۔ آپ کی خدمت میں روٹی کے ٹکڑے لائے گئے جو موٹے تھے آپ اسے کھانے لگے اور فرمانے لگے: کھاؤ، ہم نے اسے نہ کھایا، پوچھا: تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کھاتے نہیں؟ ہم نے عرض کی: اے امیر المومنین! ہم آپ کے اس کھانے سے نرم کھانے کی طرف لوٹیں گے۔ فرمایا: اے ابن عاص! کیا تجھے خبر نہیں کہ میں جانتا ہوں اگر میں بکری کے موٹے تازے بچے کے بارے میں حکم دوں اس کے بال اتارے جائیں پھر اسے اس طرح اس طرح بھونا ہوا نکالا جائے کیا تو نہیں جانتا کہ میں جانتا ہوں کہ اگر میں ایک صاع یا دو صاع کشمش کے بارے میں حکم دوں میں اسے مشکیزے میں رکھوں پھر اس پر پانی انڈیلوں تو وہ صبح تک یوں ہو جائے جس طرح ہرن کا خون ہوتا ہے۔ میں نے عرض کی: اے امیر المومنین! ہاں، جس عیش و نشاط کا آپ ذکر کر رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں اس ذات کے سوا کوئی معبود نہیں اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ قیامت کے روز میری نیکیاں کم ہو جائیں گی تو ہم بھی تمہارے ساتھ اس عیش و نشاط میں شریک ہو جاتے لیکن میں نے اللہ تعالیٰ کو کچھ اقوام کے بارے میں یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا۔

فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ، الْهُوْنِ سے مراد ہوان (ذلت) ہے بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ یعنی اس کی وجہ سے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طاعت کرنے سے بڑے بنتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے بندوں پر بڑائی کا اظہار کرتے ہو۔ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ اس وجہ سے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طاعت سے نکل جاتے ہو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے گھر والوں نے گوشت کی خواہش کی میں نے ان کے لیے گوشت خریدا میں حضرت عمر بن خطاب کے پاس سے گذرا پوچھا: اے جابر! یہ کیا ہے؟ میں نے آپ کو بتایا، پوچھا: کیا تم میں سے جب بھی کوئی کسی چیز کی خواہش کرتا ہے (1) اسے اپنے پیٹ میں رکھ لیتا ہے کیا وہ نہیں ڈرتا کہ وہ اس آیت کا مصداق بن جائے گا اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ۔

ابن عربی نے کہا: یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے عتاب تھا کہ وہ گوشت خریدنے کی وسعت رکھتے ہیں اور خشک روٹی اور پانی کے معمول سے نکل چکے ہیں (2) کیونکہ حلال چیز میں سے پاکیزہ چیزوں کے حصول کی طبیعتیں حریص ہوتی ہیں اور دل انکو پسند کرتا ہے جب وہ انہیں پاتیں تو وہ شبہات کے ساتھ ان کے حصول کو سہل بنانے کی کوشش کرتی ہیں یہاں تک کہ عادت کے غلبے اور خواہش کے اس کے نفس پر غلبہ پانے کی وجہ سے جو نفس برائی کا حکم دیتا ہے خالص حرام میں جا واقع ہوتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معاملہ کو اس کے ابتدا سے ہی پکڑ لیا اور ابتدا سے اسے بچا لیا جس طرح آپ کا معمول تھا اور جو اس دروازہ

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 140
2۔ تفسیر احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1698

کی حفاظت کرتا ہے اور قانون کی پاسداری کرتا ہے تو اس آدمی پر لازم ہے کہ جو پائے اسے کھائے وہ پاکیزہ یا سالن کے بغیر روٹی وہ عمدہ کھانے کا تکلف نہ کرے اور نہ ہی اسے عادت بنائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا جو پاتے تو سیر ہو کر کھا لیتے، جب نہ پاتے تو صبر کرتے، آپ حلوہ کھا لیتے جب اس پر قادر ہوتے جب اتفاق ہوتا تو شہد بھی پی لیتے جب میسر ہوتا تو گوشت بھی کھا لیتے کسی چیز پر کبھی بھی انحصار نہ کرتے اور نہ ہی اسے عادت بناتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا معمول معروف و مشہور تھا صحابہ کا طریقہ منقول تھا جہاں تک آج کا تعلق ہے حرام اور تہمت کا فساد غالب آچکا ہے اس سے خلاصی مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ خلاصی عطا فرماتا ہے اور چھٹکارا پانے میں اپنی رحمت سے مدد فرماتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: توبیخ شکر ترک کرنے پر واقع ہے پاکیزہ اور حلال چیزوں کے حصول پر واقع نہیں یہ تعبیر اچھی ہے کیونکہ پاکیزہ حلال چیز کا حاصل کرنا جائز ہے جب وہ اس پر شکر کرنا چھوڑ دے اور اس کے خلاف ایسی چیز سے مدد لے جو حلال ہی نہ ہو تو اس نے نعمت کو ختم کیا۔

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ ۖ إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٢١﴾

''(اے حبیب!) ذکر سنائیے انہیں قوم عاد کے بھائی (ثمود) کا جب ڈرایا اس نے اپنی قوم کو احقاف میں اور گذر چکے تھے ڈرانے والے ان سے پہلے بھی اور ان کے بعد بھی کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت نہ کرو (ورنہ) مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر بڑے دن کا عذاب نہ آجائے''۔

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ وہ ہود بن عبداللہ بن رباح علیہ السلام ہیں وہ ان کے نبی بھائی تھے دینی بھائی نہ تھے **إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ** ان مشرکوں کو عاد کا قصہ یاد دلائیں تاکہ وہ عبرت حاصل کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا: آپ کو حکم دیا اپنے دل میں حضرت ہود علیہ السلام کا واقعہ یاد کریں تاکہ اس کی اقتدا کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم آپ کو جھٹلاتی ہے اس کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ معاملہ آسان ہو جائے گا۔ احقاف سے مراد عاد کا علاقہ ہے۔ احقاف سے مراد ریت کے بڑے بڑے ٹیلے ہیں (1)؛ یہ خلیل اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے وہ لوگ اپنی قوت کے باعث اہل زمین پر غالب آگئے تھے، أحقاف، حِقف کی جمع ہے اس سے مراد ریت کا لمبا ٹیلہ ہے جو ٹیڑھا ہو اور پہاڑ تک نہ پہنچا ہو اس کی جمع حقاف، احقاف اور حقوف ہے۔ احقوقف الرمل و الهلال یعنی ریت کا ٹیلا اور چاند ٹیڑھا ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حِقف حِقاف کی جمع ہے اور أحقاف جمع کی جمع ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: حِقفٌ أحقفٌ۔ اعشیٰ نے کہا:

بات إلى أرطاة حِقف أحقفا

یعنی ایسی ریت جو لمبی ہو اور جس کا کنارہ آگے کو جھکا ہوا ہو۔ اس سے فعل احقوقف ہے۔ عجاج نے کہا:

طيُّ الليالي زُلَفا فزلفا سَمَاوَةَ الهلال حتى احقوقفا

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 177

حقوقف یعنی مڑ گیا اور گول ہو گیا۔

یہاں احقاف سے جو مراد ہے اس کی تعبیر میں اختلاف ہے۔ ابن زید نے کہا: اس سے مراد ریت کے ایسے ٹیلے ہیں جو ابھرے ہوئے ہوں جس طرح پہاڑوں کی حالت ہوتی ہے اور پہاڑوں تک نہ پہنچے ہوئے ہوں اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہ اسی امر کا شاہد ہے (1)۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد ایسے پہاڑ ہیں جو شحر پر جھکے ہوئے ہوں۔ شحر عدن کے قریب ہے کہا جاتا ہے: شَحْرُ عمان، شَحْرُ عمان۔ یہ عمان اور عدن کے درمیان سمندر کا ساحل ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ ہمارے لیے ذکر کیا گیا ہے (2) کہ عاد یمن میں قبائل تھے ریتلے علاقے میں بستے سمندر کے قریبی علاقے میں رہتے جسے شحر کہا جاتا۔ مجاہد نے کہا: یہ حسمی کا علاقہ ہے (3) جسے احقاف کہتے حسمی ایسا صحرائی علاقہ جس میں اونچے پہاڑ ہوں جن کی اطراف دائم ہوں اور گونجیں اس علاقہ کو نہیں چھوڑتیں۔ نابغہ نے اسی حوالے سے کہا:

فاصبحَ عاقِلاً بجبالِ حِسْمَی دُقاقَ التُّرْبِ مُحْتَزِمَ القتام

یہ جوہری کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک نے کہا: احقاف سے مراد شام میں پہاڑ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: عمان اور مہرہ کے درمیان وادی ہے۔ مقاتل نے کہا: عاد کے گھر یمن کے ملک حضر موت کے علاقہ میں ایک وادی میں تھے جسے مہرہ کہا جاتا تھا اسی طرح مہری اونٹ منسوب ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے: ابل مہریہ، ابل مہاری۔

یہ قبیلہ ارم سے تعلق رکھتے تھے۔ کلبی نے کہا: احقاف الجبل سے مراد وہ پہاڑ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں جب ہر کوئی غرق ہوا تھا اس پہاڑ سے پانی جاری ہوا تھا زمین سے پانی جاری ہوتا تھا اور اس کا اثر باقی رہتا تھا۔

طفیل نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ فرمایا: لوگوں میں دو وادیاں بہترین ہیں (4) ایک وادی مکہ میں اور ایک وادی جہاں حضرت آدم علیہ السلام اترے جو ہند کے علاقہ میں ہے۔ لوگوں میں سب سے بری دو وادیاں ہیں ایک وادی احقاف میں ہے اور ایک وادی حضر موت میں ہے جسے برہوت کہتے ہیں جس میں کفار کی روحیں آپس میں ملیں گی۔ لوگوں میں بہترین کنواں بئر زمزم ہے اور لوگوں میں سے برا کنواں بئر برہوت ہے۔ وہ حضر موت کی اسی وادی میں ہے۔

وَ قَدْ خَلَتِ النُّذُرُ نذر سے مراد رسل ہیں۔ **مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ** یعنی حضرت ہود علیہ السلام سے پہلے **وَ مِنْ خَلْفِهٖۤ** اور حضرت ہود علیہ السلام کے بعد؛ یہ فراء کا قول ہے۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں من بین یدیہ ومن بعدہ ہے **اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ** یہ رسل کی جانب سے قول ہے، یہ جملہ معترضہ ہے پھر حضرت ہود علیہ السلام نے کہا: **اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ** ایک قول یہ کیا گیا ہے: **اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ** یہ حضرت ہود علیہ السلام کا کلام ہے۔

قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ٘ وَ اُبَلِّغُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَ لٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِیَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 282 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 141 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 282 4۔ ایضاً

اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۚ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝

''وہ (برافروختہ ہوکر) بولے (اے ہود) کیا تم اس لیے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہمیں ہمارے خداؤں سے برگشتہ کردو، لے آؤ (وہ عذاب) جس کی تم دھمکیاں دیتے رہے ہو اگر تم سچے ہو۔ ہود نے فرمایا کہ نزول عذاب کا علم تو اللہ کے پاس ہے اور میں (برابر) پہنچا رہا ہوں تمہیں وہ پیغام جو میں دے کر بھیجا گیا ہوں لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم جاہل قوم ہو۔ پس جب انہوں نے دیکھا عذاب کو بادل کی صورت میں کہ وہ ان وادیوں کی طرف آ رہا ہے تو بولے یہ بادل ہے ہم پر برسنے والا ہے (نہیں نہیں) بلکہ یہ تو وہ عذاب ہے جس کے لیے تم جلدی مچا رہے تھے (یہ تند) ہوا ہے اس میں دردناک عذاب ہے تہس نہس کر کے رکھ دے گی ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے پس جب ان پر صبح ہوئی تو نہ دکھائی دی کوئی چیز بجز ان کے (ویران) مکانوں کے، اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں مجرموں کو''۔

قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا اس میں دو وجوہ ہیں: (1) بہتان لگا کر ہمیں ہمارے معبودوں سے دور کرنا چاہتے ہیں(1)۔ (2) منع کرنے کے ساتھ ہمیں ہمارے معبودوں سے دور کرنا چاہتے ہیں، یہ ضحاک کا قول ہے۔ عروہ بن اذینہ نے کہا:

إن تَكُ عن أحسن الصنيعة مأ فُوكًا ففي آخرين قد أفِكوا

شاعر کہتا ہے: اگر تجھے احسان کی توفیق نہیں دی گئی تو تو ایسی قوم میں ہے جنہیں پھیر دیا گیا ہے فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وعدہ کا لفظ کبھی کبھی وعید کی جگہ استعمال ہوتا ہے۔ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ اگر اس بات میں سچے ہو کہ تم نبی ہو۔ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ یعنی عذاب کے آنے کے وقت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے میرے پاس نہیں وَ اُبَلِّغُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ جو پیغام مجھے دے کر بھیجا گیا ہے میں تمہارے رب کی جانب سے تم تک پہنچانے والا ہوں وَلٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝ یعنی تم جو جلدی عذاب کے آنے کا مطالبہ کر رہے ہو اس میں تمہیں جاہل خیال کرتا ہوں۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مبرد نے کہا: رَاَوْهُ میں ضمیر اسی چیز کی طرف لوٹ رہی ہے جس کا پہلے ذکر نہیں ہوا۔ اس کی وضاحت عَارِضًا کا لفظ بیان کر رہا ہے۔ ضمیر، سحاب کی طرف لوٹ رہی ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی فلما رأوا السحاب عارضا۔ عارضا کا لفظ تمیز کے طور پر منصوب ہے۔ اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ وہ آسمان کی چوڑائی میں ظاہر ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حال کی حیثیت سے منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمیر فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ جب انہوں نے بادل کو دیکھا تو انہوں نے اسے ایسا بادل خیال کیا جو ان پر بارش برسائے گا۔ بارش ہوئے کافی عرصہ ہو چکا تھا، جب انہوں نے بادل کو اپنی وادیوں کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو وہ خوش ہوئے۔ وہ بادل اس وادی کی جانب سے آیا تھا جس میں عام طریقہ یہ تھا کہ اس وادی سے جو بادل آتا اس میں بارش ہوتی؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء نے کہا۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 283

جوہری نے کہا: عارض سے مراد وہ بادل ہے جو افق میں چوڑائی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا یعنی ہم پر بارش برسائے گا کیونکہ یہ معرفہ ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ عارض کی صفت بنے کیونکہ وہ نکرہ ہے عرب یہ افعال سے اسماء مشتقہ میں کرتے ہیں کسی اور میں ایسا نہیں کرتے۔

یہ کہنا جائز نہیں: هذا رجل غلامنا۔ اعرابی نے روزہ افطار کرنے کے بعد کہا: رب صائمة لن تصومه وقائمة لن تقومه۔ تو اس نے اسے نکرہ کی صفت بنایا اور اسے معرفہ کی طرف مضاف کیا۔

میں کہتا ہوں: اس کا قول لایجوز ان یکون صفة لعارض نحویوں کے قول کے خلاف نہیں۔ اضافت، انفصال کی تقدیر میں ہے یہ اضافت لفظیہ ہے حقیقیہ نہیں کیونکہ یہ پہلے اسم کو تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، بلکہ اسم اپنی جگہ نکرہ ہی رہتا ہے اسی وجہ سے نکرہ کی حیثیت سے صفت آتی ہے۔ آیت میں یہ نحویوں کا قول ہے۔ نکرہ کی صفت نکرہ ہوتی ہے۔ رب کا لفظ نکرہ پر داخل نہیں ہوتا۔

بَلْ هُوَ ہود نے انہیں کہا اس پر دلیل اس کی قراءت ہے جس نے پڑھا قال هود بل هو اسے قل بل ما استعجلتم به هي ريح بھی پڑھا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہہ دیجئے: بلکہ تم نے اس کی جلدی مچائی ہے۔ اس سے مراد ان کا قول ہے فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا پھر اس کی وضاحت کی اور کہا: رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وہ ہوا جس کے ساتھ انہیں عذاب دیا گیا تھا وہ اس بادل سے پیدا ہوئی تھی جس کو انہوں نے دیکھا تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام ان کے درمیان سے نکل گئے وہ ہوا خیموں کو اٹھاتی ہودجوں کو اٹھاتی، انہیں بلند کرتی گویا وہ ٹکڑیاں ہوں پھر انہیں چٹانوں پر دے مارتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: پہلی دفعہ جب انہوں نے بادل کو دیکھا تو وہ اٹھے انہوں نے ہاتھ پھیلائے سب سے پہلے جنہوں نے پہچانا کہ یہ عذاب ہے وہ وہ لوگ تھے جو گھروں سے باہر تھے، انہوں نے لوگوں اور مواشی کو دیکھا، ہوا انہیں زمین و آسمان کے درمیان یوں اڑا رہی تھی جس طرح پر ہوتے ہیں۔ وہ لوگ گھروں میں داخل ہو گئے دروازوں کو بند کر دیا ہوا نے دروازوں کو اکھیڑ دیا اور انہیں پچھاڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا اس نے ان پر ریت ڈال دی۔ وہ سات راتوں اور آٹھ دنوں تک ریت کے نیچے پڑے رہے جبکہ ان کے رونے کی آواز آتی رہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا تو اس نے ان سے ریت کو دور کر دیا ہوا نے انہیں اٹھایا اور سمندر میں جا پھینکا۔ یہ وہی ہوا ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا یعنی ہر وہ شے جس پر ہوا گزری وہ عاد کے لوگ تھے یا اموال تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہر وہ شے جس کی طرف ہوا بھیجی گئی۔ تدمیر کا معنی ہلاکت ہے اسی طرح دمار ہے۔ اسے يدمر كل شي بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ دمر دمارا سے مشتق ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: دمرہ تدميرا و دمارا اور دمر عليه کا معنی ایک ہی ہے۔ دَمَرَ يَدْمُرُ دُمورا بغیر اجازت کے داخل ہو گیا۔ حدیث میں ہے من سبق طَرْفُه استئذانه فقد دَمَرَ جس کی نظر اجازت طلب کرنے سے سبقت لے گئی تو وہ اندر داخل ہو گیا۔ تَدْمُر۔ شام میں ایک شہر ہے یربوع تدمری۔ جب وہ چوہا چھوٹا ہو۔

بِأَمْرِ رَبِّهَا اس کے رب کے اذن سے۔ بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہا: میں نے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہنستے ہوئے نہیں دیکھا یہاں تک کہ میں ان کا کوا دیکھتی۔ آپ تبسم فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ بادل یا ہوا دیکھتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں کیونکہ انہیں بارش کی امید ہوتی ہے۔ جب آپ اسے دیکھتے ہیں تو میں آپ کو دیکھتی ہوں کہ آپ کے چہرے پر ناپسندیدگی معلوم ہوتی ہے۔ فرمایا: ''اے عائشہ! مجھے خوف آتا ہے کہ اس میں عذاب نہ ہو۔ ایک قوم کو ہوا کے ساتھ عذاب دیا گیا، ایک قوم نے عذاب دیکھا تو انہوں نے کہا: یہ بادل ہے ہم پر بارش برسائے گا'' (1)۔ اسے امام مسلم اور امام ترمذی نے نقل کیا ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میری مدد باد صبا سے کی گئی اور قوم عاد کو دبور ہوا سے ہلاک کیا گیا'' (2)۔

ماوردی نے ذکر کیا: هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا کا قائل قوم عاد میں سے ایک تھا۔ وہ بکر بن معاویہ تھا۔ جب اس نے بادل دیکھا تو اس نے کہا: میں تباہ و برباد کرنے والا بادل دیکھتا ہوں وہ عاد میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑے گا۔ عمرو بن میمون نے کہا: وہ ہوا ان میں سے غائب آدمی کو لاتی اور ان کی مجلس میں اسے پھینک دیتی۔

ابن اسحاق نے کہا: حضرت ہود اور جو لوگ آپ پر ایمان لائے تھے وہ ایک باڑہ میں الگ ہو گئے۔ آپ کو اور آپ کے ساتھ جو لوگ تھے انہیں ہوا نہیں پہنچتی تھی مگر وہ ان کے اوپر والے کپڑوں کو ہلاتی اور اس کے ساتھ ان کے نفوس کو لذت حاصل ہوتی اور قوم عاد میں سے ہودج میں بیٹھی کسی عورت کے پاس سے گزرتی انہیں زمین و آسمان کے درمیان اٹھاتی اور انہیں پتھروں پر پٹخ دیتی یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو جاتے۔ کلبی نے حکایت بیان کی ہے کہ ایک شاعر نے کہا:

فدعا هود عليهم دعوةً أضحَوْا همودا (3)

عصفت ريح عليهم تركت عادًا خمودا

سخرت سبع ليال لم تدع في الأرض عودا

حضرت ہود علیہ السلام نے ان پر ایسی بددعا کی تو وہ مر کر ٹھنڈے ہو گئے۔ ہوا ان پر چلی جس نے عاد کو ٹھنڈی آگ بنا دیا وہ سات راتوں تک ان پر مسلط کی گئی اس نے زمین میں قوم عاد کا کوئی فرد نہ چھوڑا۔

حضرت ہود علیہ السلام ان کے ہلاک ہونے کے بعد ڈیڑھ سو سال تک اپنی قوم میں زندہ رہے۔

فَاَصْبَحُوْا لَا یُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ عاصم اور حمزہ نے لا یُرٰی اِلا مساکنُهم پڑھا ہے یعنی فعل مجہول ہے۔ اسی طرح حماد بن سلمہ نے ابن کثیر سے روایت کیا ہے مگر اس نے تری پڑھا ہے یہ ابو بکر سے مروی ہے انہوں نے اسے عاصم سے روایت کیا ہے باقی قراء نے تری تاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور مساکنهم کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ نہیں دیکھیں گے مگر ان کے مسکن۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، فلما رأوه عارضا، جلد 2، صفحہ 715

2۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ الاستسقاء، قول النبی ... نصرت بالصبا، جلد 1، صفحہ 295

3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 283

مہدوی نے کہا: جس نے تاء کے ساتھ مجہول کا صیغہ پڑھا ہے تو مساکن جو مونث ہے اس کے ظاہر کا اعتبار کیا ہے یہ بہت ہی قلیل ہے صرف شعروں میں استعمال ہوتا ہے اور حاتم نے کہا: یہ لغت میں درست نہیں ہوتا مگر جس میں اضمار ہو جس طرح تو کہتا ہے: الاتری النساء الا زینب۔ لاتری الا زینب جائز نہیں۔ سیبویہ نے کہا: اس کا معنی ہے تو ان کے اشخاص نہیں دیکھتا مگر ان کے مساکن۔ ابوعبید اور ابوحاتم نے عاصم اور حمزہ کی قراءت پسند کی ہے۔ کسائی نے کہا: معنی ہے ان کے مساکن کے علاوہ کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی تھی۔ یہ معنی پر محمول ہے جس طرح تو نے کہا ہے: ماقام الاھند۔ معنی ہے کوئی کھڑا نہیں ہوا مگر ہند۔ فراء نے کہا: لوگ نہیں دکھائی دیتے تھے کیونکہ وہ ریت کے نیچے تھے، ان کے گھر دکھائی دیتے تھے کیونکہ وہ کھڑے تھے۔

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ یعنی مشرکوں کو اس جیسا عذاب دیتے ہیں۔

وَ لَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَاۤ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّ اَبْصَارًا وَّ اَفْـِٕدَةً ۖٞ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَ لَاۤ اَبْصَارُهُمْ وَ لَاۤ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

"اور ہم نے ان کو وہ قوت و طاقت بخشی تھی جو ہم نے تمہیں نہیں دی اور ہم نے عطا کیے تھے انہیں کان، آنکھیں اور دل لیکن ان کے کسی کام نہ آئے ان کے کان، نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل کیونکہ وہ انکار کرتے تھے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا اور احاطہ کر لیا ان کا اس (عذاب) نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے"۔

وَ لَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَاۤ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان زائدہ ہے اس کی تقدیر کلام ہے مکنا کم فیہ مکنا کم فیہ یہ قتبی کا قول ہے۔ اخفش نے یہ شعر پڑھا:

یرجی المرء ما إن لایراہ وتعرض دون أدناہ الخطوب(1)

انسان امید رکھتا ہے کہ وہ اسے نہیں دیکھے گا جبکہ اسکے قریب سے مصائب اسے آ پہنچتے ہیں۔

پہلے مصرعہ میں ان زائدہ ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ما، الذی کے معنی میں ہے اور ان، ما کے معنی میں ہے(2)، تقدیر کلام یہ ہے ولقد مکنا ھم فی الذی ما مکنا کم فیہ یہ مبرد کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ شرطیہ ہے اور اس کا جواب مضمر محذوف ہے، تقدیر کلام یہ ہو گی: لقد مکنا ھم فی ما ان مکنا کم فیہ کان بغیکم اکثر و عناد کم اشد یہاں پر کلام مکمل ہو گئی پھر نئی کلام کی اور فرمایا: **وَ جَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّ اَبْصَارًا وَّ اَفْـِٕدَةً**۔ افئدۃ سے مراد دل ہیں جو اسے سمجھتے ہیں۔ **مِّنْ شَيْءٍ** سے مراد اللہ تعالیٰ کے عذاب سے۔ **اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ** کیونکہ وہ انکار کرتے تھے **وَ حَاقَ بِهِمْ** ان کا احاطہ کر لیا (اس نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے)۔

وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَ صَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 309   2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 142

''اور ہم نے برباد کردیئے وہ گاؤں جو تمہارے اردگرد (آباد) تھے اور ہم نے مختلف انداز میں اپنی نشانیاں پیش کیں شائد وہ (حق کی طرف) لوٹ آئیں''۔

وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى اس سے مراد قوم ثمود کے دیہات، حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں اور اسی طرح کی دوسری بستیاں جو بلاد حجاز کے قریب قریب تھیں۔ ان کی خبریں ان کے پاس متواتر آتی رہتی تھیں۔ وَ صَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ آیات سے مراد حجج اور دلائل، بینات اور مواعظ کی انواع، یعنی ہم نے انہیں ان بستیوں والوں کے لیے بیان کیا۔ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۝ تو وہ نہ لوٹے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے قرآن کی آیات وعدہ، وعید، قصص اور اعجاز کی صورت میں پھیر پھیر کر بیان کیں۔ ممکن ہے یہ مشرک لوٹ آئیں۔

فَلَوْ لَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَ ذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَ مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۝۲۸

''پس کیوں مدد نہ کی ان کی معبودوں نے جنہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انہوں نے تقرب کے لیے (اپنے) خدا بنا رکھا تھا بلکہ وہ تو ان سے روپوش ہوگئے اور یہ محض ان کا ڈھونگ تھا اور بہتان جو وہ باندھتے تھے''۔

فَلَوْ لَا نَصَرَهُمُ، لولا، ھلا کے معنی میں ہے یعنی ان کے معبودوں نے ان کی کیوں مدد نہ کی جن کی وہ عبادت کرتے تھے ان کا گمان یہ تھا کہ یہ معبود ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت کریں گے، کیونکہ انہوں نے کہا تھا: هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یونس:18) اور جو ہلاکت ان پر واقع ہوگی اس سے یہ معبود انہیں محفوظ رکھیں گے۔ کسائی نے کہا: قربان سے مراد ہر طاعت اور قربانی ہے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے۔ اس کی جمع قرابین ہے، جس طرح رھبان کی جمع رھابین ہے۔ اتخذ کے دو مفعولوں میں سے ایک الذین محذوف کی طرف لوٹ رہا ہے۔ دوسرا مفعول آلھة ہے (1) اور قُرْبَانًا حال بن رہا ہے۔ قُرْبَانًا کو دوسرا مفعول بنانا صحیح نہیں۔ اٰلِهَةً اس سے بدل ہے کیونکہ معنی میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ زمخشری کا قول ہے: اسے قربانا راء کے ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔

بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ یعنی وہ ان سے ہلاک ہو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ یعنی ان سے ان کے معبود گم ہو گئے کیونکہ انہیں وہ مصیبت نہیں پہنچی تھی جو انہیں پہنچی ہے کیونکہ وہ تو جمادات تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ضَلُّوْا عَنْهُمْ انہوں نے بتوں کو ترک کر دیا اور ان سے براءت کا اظہار کیا۔

وَ ذٰلِكَ اِفْكُهُمْ یعنی وہ بت جو ان سے گم ہو گئے تھے یہ ان کا اپنے قول میں جھوٹ تھا انھا تقربھم الی اللہ زلفی یہ بت انہیں اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کر دیں گے۔ عام قراءت اِفْكُهُمْ ہے ہمزہ مکسور ہے اور فاء ساکن ہے یعنی ان کا جھوٹ تھا اسی طرح افیکہ ہے جمع افائک ہے۔ رجل افاک یعنی جھوٹا آدمی۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور حضرت ابن زبیر نے پڑھا و ذلک افکھم یعنی ہمزہ، فاء اور کاف مفتوح ہے کیونکہ یہ فعل ہے یعنی اس قول نے انہیں توحید سے پھیر دیا۔ عکرمہ نے اسے افکھم فاء کی

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 310

تشدید کے ساتھ پڑھا ہے یہ تاکید اور تکثیر کے لیے ہے۔ ابوحاتم نے کہا: یعنی وہ جن نعمتوں پر تھے ان سے ان کو پھیر دیا۔ مہدوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آفِکُھم مد اور کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی انہیں پھیرنے والا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر سے ان سے اختلاف کے ساتھ آفَکَهم مد کے ساتھ نقل کیا ہے تو یہ جائز ہوگا کہ وہ افعل کا صیغہ ہو، یعنی انہیں ایک طرف پھیر دیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ فاعلهم کے وزن پر ہو جس طرح خادعهم ہے عام قراءت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ جو وہ جھوٹ بولتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: أُفُكُهم، أَفْكُهم کی طرح ہے إفك اور أَفَك یہ حِذر اور حَذر کی طرح ہیں؛ یہ مہدوی کا قول ہے۔

وَ اِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝۲۹

''اور جس وقت ہم نے متوجہ کیا آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو کہ وہ قرآن سنیں تو جب آپ کی خدمت میں پہنچے تو بولے خاموش ہو کر سنو، پھر جب تلاوت ہو چکی تو لوٹے اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے ہوئے''۔

وَ اِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یہ قریش کے مشرکوں کو توبیخ ہے یعنی جنوں نے قرآن کو سنا وہ آپ پر ایمان لائے اور انہیں علم ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے جبکہ تم اعراض کرنے والے اور کفر پر اصرار کرنے والے ہو۔ صَرَفْنَاۤ کا معنی ہے ہم نے انہیں آپ کی طرف متوجہ کیا اور ہم نے بھیجا۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ انہیں آسمان سے چوری چھپے سننے سے شہاب مارنے کے ساتھ پھیر دیا گیا تھا جس طرح اس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد انہیں اس امر سے نہیں روکا گیا تھا مگر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔

مفسرین حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر، مجاہد وغیرہ نے کہا: جب ابو طالب فوت ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تنہا ثقیف سے مدد لینے کے لیے طائف کی طرف نکلے آپ نے عبد یالیل، مسعود اور حبیب کے پاس جانے کا ارادہ کیا جو بھائی تھے ان کا تعلق بنو عمرو بن عمیر سے تھا، ان کے ہاں بنی جمح کے خاندان کی ایک قریشی عورت بیاہی ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایمان کی دعوت دی اور ان سے سوال کیا کہ وہ قوم کے خلاف آپ کی مدد کریں تو ان میں سے ایک نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے تو وہ کعبہ کا غلاف اتار دے گا۔ دوسرے نے کہا: اللہ تعالیٰ کو تیرے سوا کوئی نہیں ملا تھا کہ اسے رسول بنا کر بھیجتا۔ تیسرے نے کہا: اللہ کی قسم! میں تجھ سے کوئی کلام نہیں کروں گا، اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے بھیجا ہے جس طرح تو کہتا ہے تو تو اس سے عظیم شان رکھتا ہے کہ میں تجھ پر تیرا کلام لوٹاؤں اور اگر تو جھوٹ بولتا ہے تو تجھ سے کلام کرنا مجھے زیب نہیں دیتا۔ پھر انہوں نے اپنی قوم کے بے وقوف لوگوں اور اپنے غلاموں کو بھڑکایا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں اور آپ پر قہقہے لگائیں، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور آپ کو عتبہ اور شیبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے کے باغ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تو آپ نے جمحیہ عورت سے کہا: ہم نے تیرے سسرال سے کیا پایا؟ پھر آپ نے یوں دعا کی: اللهم إني أشكو

إليك ضعف قوتي وقلة حيلتي وهواني على الناس يا أرحم الراحمين أنت رب المستضعفين وأنت ربي لمن تكلني إلى عبد يتجهمني أو إلى عدو ملكته امري! إن لم يكن بك غضب علي فلا أبالي ولكن عافيتك هي أوسع لي. أعوذ بنور وجهك من ان ينزل بي غضبك. أو يحل علي سخطك لك العُتْبَى حتى ترضى. ولاحول ولا قوة إلا بك

اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں اپنی قوت کی کمزوری، حیلہ کی کمی، لوگوں پر ہلکا ہونے کی شکایت کرتا ہوں۔ اے ارحم راحمین! تو کمزوروں کا رب ہے تو میرا رب ہے تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے اس بندے کے جو میرے ساتھ ترش روی سے پیش آئے یا ایسے دشمن کے جس کو تو میرے معاملہ کا مالک بنا دے، اگر تو مجھ پر ناراض نہیں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں لیکن تیری عافیت میرے لیے بہت وسیع ہے۔ میں تیرے چہرے کے نور سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو یا مجھ پر تیری ناراضگی نازل ہو تجھے عتاب کا حق ہے یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے۔ کسی مصیبت کو دور کرنا اور کسی امر پر طاقت ہونا تیرے ذریعے ہی ہے۔

ربیعہ کے دونوں بیٹوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم آ گیا دونوں نے اپنے غلام سے کہا جو ایک نصرانی تھا جسے عداس کہا جاتا انگور کا یہ گچھا لے اس طبق پر رکھو پھر اسے اس آدمی کے سامنے رکھ آؤ۔ جب اس نے وہ برتن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''باسم اللہ'' پھر اسے کھایا، عداس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی طرف دیکھا پھر کہا: اللہ کی قسم! یہ کلام اس شہر والے نہیں کرتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: ''تو کس شہر سے تعلق رکھتا ہے؟ اے عداس اور تیرا دین کیا ہے؟'' کہا میں نصرانی ہوں، اہل نینوی سے میرا تعلق ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: ''کیا صالح انسان حضرت یونس بن متی کی بستی سے؟'' عداس نے پوچھا: آپ کو کس نے بتایا کہ یونس بن متی کون ہے؟ فرمایا: ''وہ میرا بھائی ہے وہ نبی تھا اور میں بھی نبی ہوں''۔ عداس آپ پر جھکا یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر، ہاتھ اور پاؤں چومے۔ ربیعہ کے دونوں بیٹوں نے اسے کہا: تو نے اس طرح کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا: اے میرے آقا! زمین میں ان سے بہتر کوئی فرد نہیں انہوں نے مجھے ایک ایسی بات بتائی ہے جسے نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ثقیف کی جانب سے کسی بھلائی سے مایوس ہو گئے تو آپ واپس لوٹے یہاں تک کہ جب آپ نخلہ وادی میں تھے تو آپ رات کے وقت نماز پڑھنے لگے تو اہل نصیبین کے جنوں کی ایک جماعت آپ کے پاس سے گذری۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جن چوری چھپے سنا کرتے تھے جب آسمان کی حفاظت کی جانے لگی اور انہیں شہابیوں سے مارا گیا تو ابلیس نے کہا: آسمان میں جو یہ حادثہ رونما ہوا ہے وہ زمین میں کسی حادثہ کی وجہ سے ہے۔ اس نے اپنے لشکر بھیجے تا کہ حقیقت حال کو جانیں۔ ان میں سے پہلا قافلہ نصیبین والوں کا تھا وہ معزز جنوں پر مشتمل تھا یہ تہامہ کی طرف آئے، جب وہ نخلہ وادی میں پہنچے تو انہوں نخلہ وادی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے سنا جبکہ آپ قرآن پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے کان لگائے اور کہا: خاموش ہو جاؤ۔ ایک جماعت نے کہا: بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ جنوں کو ڈرائیں، انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیں اور انہیں قرآن پڑھ کر سنائیں۔ اللہ تعالیٰ نے نینوی کے جنوں کی ایک جماعت آپ کی طرف

تھیجی نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں آج کی رات جنوں کو قرآن پڑھانے کا ارادہ رکھتا ہوں تم میں سے کون میری اتباع کرے گا؟" تو صحابہ نے اپنے سر جھکا لیے۔ دوسری دفعہ ارشاد فرمایا تو انہوں نے سر جھکا لیے۔ تیسری دفعہ فرمایا تو انہوں نے سر جھکا لیے۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: یارسول اللہ! میں۔ حضرت ابن مسعود ؓ نے کہا: میرے سوا آپ کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا۔ ہم چلے یہاں تک کہ ہم مکہ مکرمہ کے بالائی علاقہ میں تھے تو نبی کریم ﷺ ایک گھاٹی میں داخل ہوئے جسے "شعب حجون" کہا جاتا۔ نبی کریم ﷺ نے آپ کے لیے ایک خط لگا دیا اور مجھے حکم دیا کہ میں اس میں بیٹھوں۔ فرمایا: "اس سے باہر نہ نکلنا یہاں تک کہ میں تیری طرف واپس آؤں"۔ پھر آپ چلے یہاں تک کہ کھڑے ہوئے اور قرآن پڑھنا شروع کیا۔ میں گدھوں جیسی چیزیں دیکھتا جو نیچے گرتیں اور وہ آواز پیدا کرتے ہوئے چلتیں۔ میں غیر واضح سی گفتگو سنتا یہاں تک کہ مجھے نبی کریم ﷺ کے بارے میں خوف ہونے لگا۔ آپ کو کثیر جماعتوں نے ڈھانپ لیا جو میرے اور آپ کے درمیان حائل ہوگئیں یہاں تک کہ میں ان کی آواز نہیں سنتا تھا۔ پھر وہ یوں چھٹنے لگے جس طرح بادل کا ٹکڑا ہے جب نبی کریم ﷺ فجر کے وقت اس سے فارغ ہوئے (1)۔ پوچھا: "کیا تو سویا ہے؟" میں نے عرض کی: نہیں اللہ کی قسم! میں نے کئی دفعہ ارادہ کیا کہ لوگوں سے مدد طلب کروں یہاں تک کہ میں آپ کو سنتا کہ آپ اپنے عصا کو کھٹکھٹا کر انہیں تنبیہ کرتے اور کہتے: بیٹھ جاؤ۔ فرمایا: "اگر تو اس دائرہ سے باہر نکلتا تو مجھے تیرے بارے میں خوف ہوتا کہ ان میں سے کوئی تجھے اچک ہی نہ لے"۔ پھر پوچھا: "کیا تو نے کوئی چیز دیکھی ہے؟" میں نے عرض کی: ہاں یارسول اللہ! میں نے سیاہ رنگ کے لوگوں کو دیکھا جو سفید رنگوں کی دھوتیاں رانوں سے لپیٹے ہوئے ہیں۔ فرمایا: "وہ نصیبین کے جن تھے، انہوں نے مجھ سے متاع اور زاد کے بارے میں سوال کیا تو میں نے انہیں ہر بوسیدہ ہڈی اور گوبر و مینگنی وغیرہ کو ان کے لیے خوراک بنا دیا ہے"۔ انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! لوگ انہیں ہمارے لیے گدلا کر دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے منع کر دیا کہ ہڈی اور گوبر سے استنجا کیا جائے۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! وہ چیز انہیں کیا فائدہ دے گی؟ فرمایا: "وہ کسی ہڈی کو نہیں پائیں گے مگر وہ اس پر ایسا گوشت پائیں گے جس روز اسے کھایا گیا تھا اور وہ کسی گوبر کو نہیں پائیں گے مگر وہ اس میں ایسا دانہ پائیں گے جس طرح اسے کھایا گیا تھا"۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! میں نے بہت زیادہ غیر واضح سی گفتگو سنی؟ فرمایا: "جنوں نے ایک مقتول کے بارے میں باہم اختلاف کیا اور میرے سامنے معاملہ پیش کیا تو میں نے ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا"۔ پھر نبی کریم ﷺ ظاہر ہوئے اور میرے پاس تشریف لائے۔ پوچھا: "کیا تیرے پاس پانی ہے؟" میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! میرے پاس برتن ہے جس میں کچھ نبیذ تمر ہے، میں نے اسے آپ کے ہاتھوں پر انڈیلا تو آپ نے وضو کیا۔ فرمایا: "پاکیزہ کھجور اور طہارت عطا کرنے والا پانی"۔ معمر نے قتادہ سے اور شعبہ نے حضرت ابن مسعود ؓ سے روایت نقل کی ہے۔ معمر کی حدیث میں نبیذ تمر کا ذکر نہیں۔

ابو عثمان نہدی نے روایت بیان کی ہے: حضرت ابن مسعود ؓ نے زطیوں (ہند کی ایک قوم) کو دیکھا تو پوچھا: (آیا یہ لیلۃ الجن میں ساتھ تھے؟)

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 312

یہ کون لوگ ہیں؟ جواب دیا: یہ زطی ہیں۔ فرمایا: میں نے ان کی مثل نہیں دیکھا مگر جنوں والی رات میں جنوں کو ان کی مثل دیکھا تو وہ لنگوٹ مارے ہوئے تھے ایک دوسرے کے پیچھے چل رہے تھے۔

دارقطنی، عبد اللہ بن لہیعہ سے وہ قیس بن حجاج سے وہ حنش سے وہ حضرت ابن عباس سے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنوں والی رات نبیذ سے وضو کروایا تو آپ نے اس کے ساتھ وضو کیا۔

فرمایا: شراب و طہور۔ ابن لہیعہ ایسا راوی ہے جس سے استدلال نہیں کیا جاتا۔

اس سند سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ وہ جنوں والی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو فرمایا: ''اے ابن مسعود! کیا تیرے پاس پانی ہے؟'' عرض کی: میرے پاس برتن میں نبیذ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس سے مجھ پر انڈیلو'' تو آپ نے وضو کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **ھو شراب و طھور** ابن لہیعہ اس روایت کو نقل کرنے میں اکیلا ہے اور حدیث میں ضعیف ہے۔ دارقطنی نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جنوں والی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں تھے۔ علقمہ بن قیس اور ابو عبیدہ بن عبد اللہ وغیرہ نے اسی طرح روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میں جنوں والی رات آپ کے ساتھ نہیں تھا۔

ابو محمد بن صاعد، ابو اشعث سے وہ مبشر بن فضل وہ داؤد بن ابی ہند سے وہ عامر سے وہ علقمہ بن قیس سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تم میں سے کوئی ایک لیلۃ الجن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا؟ جواب دیا: نہیں۔ دارقطنی نے کہا: یہ اسناد صحیح ہے اس کے راویوں کی عدالت میں کوئی اختلاف نہیں۔

عمرو بن مرہ نے کہا: میں نے ابو عبیدہ سے پوچھا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جنوں والی رات حاضر تھے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جن، نصیبین کے جنوں میں سے سات افراد تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کی قوم کی طرف قاصد بنایا۔ زر بن حبیش نے کہا: وہ کل نو تھے ان میں سے ایک زوبعہ تھا (2)۔ قتادہ نے کہا: وہ اہل نینوی تھے۔ مجاہد نے کہا: وہ اہل حران تھے۔ عکرمہ نے کہا: وہ موصل کے جزیرہ سے تھے (3)۔

ایک قول یہ کیا گیا: وہ سات تھے، تین اہل نجران سے اور چار اہل نصیبین سے تھے۔ ابن ابی دنیا نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں کہا اور اس میں نصیبین کا ذکر کیا، فرمایا: اسے میری طرف اٹھایا گیا یہاں تک کہ میں نے اسے دیکھ لیا میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اس کی بارش زیادہ ہو، اس کے درخت سرسبز و شاداب ہوں اور دریاؤں میں پانی زیادہ ہو۔ سہیلی نے کہا: یہ کہا جاتا ہے وہ سات تھے، وہ یہودی تھے اور اسلام لائے، اسی وجہ سے کہا: **اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى** ان کے ناموں کے بارے میں کہا گیا: شاصر، ماصر، منشی، ماشی، احقب؛ ان پانچ کا ذکر ابن درید نے کیا ہے۔ ان میں سے عمرو بن جابر بھی ہے۔ ابن اسلام نے اس کا ذکر ابو اسحاق سبیعی کی سند سے اپنے اشیاخ سے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ذکر

1۔ سنن دارقطنی، جلد 1، صفحہ 76 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 286 3۔ ایضاً

کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں چل رہے تھے تو ان کے لیے ایک بگولہ بلند ہوا پھر اس سے بڑا بگولہ آیا تو کیا دیکھتے ہیں ایک مردہ سانپ ہے ہم میں سے ایک آدمی نے اپنی چادر کا قصد کیا اسے پھاڑا اس کے کچھ حصہ سے سانپ کو کفن دیا اور اسے دفن کر دیا۔ جب رات تاریک ہوگئی تو دو عورتیں پوچھ رہی تھیں: عمرو بن جابر کو کس نے دفن کیا؟ ہم نے کہا: ہم نہیں جانتے عمرو بن جابر کون ہے؟ دونوں نے کہا: اگر تم نے اجر کی نیت کی ہے تو تم نے اسے پایا ہے فاسق جنوں نے مومن جنوں کے ساتھ جنگ کی تو عمرو کو قتل کر دیا گیا۔ وہ سانپ تھا جسے تم نے دیکھا تھا۔ وہ اس جماعت سے تھا جس نے حضرت محمد ﷺ سے قرآن سنا تھا، پھر وہ اپنی قوم کی طرف خبردار کرنے والے ہو کر واپس لوٹ گئے۔ ابن سلام نے ایک اور روایت کا ذکر کیا جس نے اسے کفن دیا تھا وہ صفوان بن معطل تھا۔

میں کہتا ہوں: ثعلبی نے اس کی مثل خبر ذکر کی ہے، اس نے کہا: ثابت بن قطبہ نے کہا کچھ لوگ حضرت ابن مسعود کی خدمت میں آئے انہوں نے کہا: ہم ایک سفر میں تھے ہم نے ایک سانپ دیکھا جو اپنے خون میں لت پت تھا۔ ہم میں سے ایک آدمی نے اسے لیا اور ہم نے اسے مٹی میں دبا دیا، کچھ لوگ آئے انہوں نے کہا: عمرو کو کس نے دفن کیا ہے؟ ہم نے کہا: کون عمرو؟ انہوں نے کہا: وہ سانپ جسے تم نے فلاں جگہ دفن کیا، خبردار! وہ اس جماعت میں سے تھا جس نے نبی کریم ﷺ سے قرآن سنا تھا مسلمان جنوں اور کافر جنوں میں جنگ ہوئی تو وہ شہید ہو گئے۔

اس روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود نہ تو سفر میں تھے اور نہ دفن میں حاضر تھے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ابن ابی دنیا نے ایک تابعی کا ذکر کیا اس کا نام بھی لیا، ایک سانپ اس کے خیمہ میں داخل ہوا وہ پیاس کی وجہ سے ہانپ رہا تھا اس نے اسے پانی پلایا پھر وہ سانپ مر گیا تو اس تابعی نے اسے دفن کر دیا۔ رات کے وقت کوئی اس کے پاس آیا اسے سلام کیا اور اس کا شکریہ ادا کیا اور بتایا وہ نصیبین کے جنوں میں سے تھا اس کا نام زوبعہ تھا۔

سہیلی نے کہا: حضرت عمر بن عبد العزیز کے فضائل میں ہمیں یہ خبر پہنچی ہے جس کو ابو بکر بن طاہر اشبیلی نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز ایک جنگل میں سے گذر رہے تھے کہ اچانک آپ نے ایک مردہ سانپ دیکھا آپ نے اپنی زائد چادر سے اسے کفن دیا اور اسے دفن کر دیا تو کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا: اے سرق! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''تو بیابان میں مرے گا اور تجھے ایک صالح آدمی کفن دے گا''۔ پوچھا: اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے تو کون ہے؟ اس نے کہا: ان جنوں میں سے ایک جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن سنا تھا ان میں سے میں اور سرق باقی رہ گئے تھے یہ سرق فوت ہو چکا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک سانپ کو قتل کر دیا جسے آپ نے اپنے حجرہ میں قرآن سنتے ہوئے دیکھا جبکہ حضرت عائشہ قرآن حکیم پڑھ رہی تھیں۔ خواب میں ان کے پاس کوئی آیا اور ان سے کہا: آپ نے جنوں میں سے ایک مومن کو قتل کر دیا، وہ جن جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: اگر وہ مومن ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کے حرم میں داخل نہ ہوتا۔ آپ سے عرض کی گئی: وہ آپ کے پاس حاضر نہیں ہوا تھا مگر آپ نے نقاب اوڑھا ہوا تھا و

تو قرآن سننے کے لیے آیا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ گھبرا گئیں آپ نے غلام خرید ے اور انہیں آزاد کیا۔ سہیلی نے کہا: ہمارے پاس جو جنوں کے نام تھے ہم نے ان کا ذکر کر دیا، اگر وہ سات تھے تو احقب ان میں سے کسی کا وصف ہوگا۔ یہ اسم علم نہیں ہے بے شک وہ اسماء جن کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے وہ احقب کے ساتھ مل کر آٹھ بنتے ہیں۔

میں نے کہا: حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہامہ بن ہیم بن اقیس بن ابلیس۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مومن جنوں میں سے تھا یہ ان جنوں میں سے تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سورۂ واقعہ، سورۂ مرسلات، سورۂ عم یتساءلون، سورۂ اذا الشمس کورت، سورۃ الحمد اور معوذتین پڑھائیں۔ اور یہ ذکر کیا وہ ہابیل کے قتل کے وقت حاضر تھا اور ان کے خون میں شریک ہوا تھا وہ غلام بن اعوام ہے وہ حضرت نوح علیہ السلام سے ملا اور ان کے ہاتھ پر توبہ کی وہ حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت الیاس، حضرت موسیٰ بن عمران اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہم السلام سے ملا۔ ماوردی نے ان کے اسماء مجاہد سے ذکر کیے ہیں اور کہا: حسی، مسی، منشی، شاصر، ماصر، اُرد، اُنیان اور اُحقم۔ ان کا ابو عمر و عثمان بن احمد جو ابن سماک کے نام سے معروف ہیں نے کیا ہے کہا: محمد بن براء، زبیر بن بکار سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حمزہ بن عتبہ بن ابی لہب نصیبین والے ان جنوں کے نام ذکر کیا کرتے تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ یہ تھے: حسی، مسی، شاصر، ماصر، الفخر، اُرد اور انیال۔

فَلَمَّا حَضَرُوْهُ جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ التفات (1) کے باب سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب وہ قرآن اور اس کے سماعت کے لیے حاضر ہوئے۔ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ان میں سے بعض نے کہا: قرآن حکیم کو سننے کے لیے خاموش ہو جاؤ۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (2) جبکہ آپ بطن نخلہ میں قرآن حکیم پڑھ رہے تھے جب انہوں نے آپ کی آواز کو سنا تو کہا: خاموش ہو جاؤ، وہ سات تھے ان میں سے ایک زوبعہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات وَ اِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ وَ مَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ کو نازل فرمایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سننے کے لیے خاموش ہو جاؤ۔ معنی قریب قریب ہے۔

فَلَمَّا قُضِيَ لاحق بن حمید اور حبیب بن عبد اللہ بن زبیر نے اسے فلما قضی پڑھا یعنی فاعل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ اس کا واقعہ یہ ہے جب آسمان کو چوری چھپے سننے سے محفوظ کر دیا گیا تو وہ نکلے تاکہ اس کا جو سبب بنا وہ اس سے آگاہی حاصل کریں، وہ وادی نخلہ میں آئے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھ رہے تھے وہ کل سات تھے، انہوں نے اسے سنا اور

1۔ علم بلاغت کا قاعدہ ہے کہ کلام کو غیب سے خطاب سے تکلم کی طرف پھیر دیا جائے یہاں کلام خطاب سے غیب کی طرف پھیری گئی ہے۔ مترجم

2۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد 2 صفحہ 315

اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر گئے اور نبی کریم ﷺ کو اس کا علم نہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بلکہ نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا تھا کہ جنوں کو ڈرائیں اور ان کو قرآن پڑھ کر سنائیں اللہ تعالیٰ نے جنوں کی ایک جماعت کو آپ کی بارگاہ میں بھیجا تا کہ وہ آپ سے قرآن سنیں اور اپنی قوموں کو ڈرائیں۔ جب نبی کریم ﷺ نے ان پر قرآن کو پڑھا اور آپ اس سے فارغ ہوئے تو آپ کے حکم سے واپس گئے وہ اپنی قوم کے جنوں کا قصد کر رہے تھے، انہیں قرآن کی مخالفت سے خبردار کرنے والے تھے اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے انہیں خبردار کرنے والے تھے اگر وہ ایمان نہ لائیں۔ یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ پر ایمان لائے اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں باقی ماندہ جنوں کو ڈرانے کے لیے بھیجا اس کے اوپر یہ ارشاد بھی دلالت کرتا ہے: یٰقَوْمَنَاۤ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ اگر ایسا واقعہ نہ ہوتا تو وہ اپنی قوم کو نہ ڈراتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بات مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں اپنی قوم کی طرف قاصد بنا کر بھیجا تھا (1)۔ اسی تاویل کی بنا پر جنوں والی دو راتیں ہیں۔ یہ بحث پہلی فصل میں گزر چکی ہے۔ صحیح مسلم میں وہ روایت ہے جو اسی چیز پر دلالت کرتی ہے جس کی وضاحت قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ (الجن: 1) میں آئے گی صحیح مسلم میں حضرت معن سے مروی ہے کہ میں نے اپنے باپ سے سنا کہا میں نے مسروق سے پوچھا: کس نے نبی کریم ﷺ کو بتایا کہ جنوں نے اس رات قرآن حکیم سنا (2)؟ تو مسروق نے کہا: تیرے باپ یعنی حضرت ابن مسعود نے بتایا کہ درخت نے آپ کو ان کے متعلق بتایا تھا۔

قَالُوْا یٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ یٰقَوْمَنَاۤ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ یُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝

"انہوں نے (جا کر) کہا: اے میری قوم ہم نے (آج) ایک کتاب سنی ہے جو اتاری گئی ہے موسیٰ علیہ السلام کے بعد تصدیق کرنے والی ہے پہلی کتابوں کی رہنمائی کرتی ہے حق کی طرف اور راہ راست کی طرف۔ اے ہماری قوم! قبول کرلو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو اور اس پر ایمان لے آؤ بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو اور بچالے گا تمہیں دردناک عذاب سے"۔

قَالُوْا یٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى کتاب سے مراد قرآن ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے تھے۔ عطا نے کہا: وہ پہلے یہودی تھے تو اسلام لے آئے، اسی وجہ سے کہا: اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: جنوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بارے میں نہیں سنا تھا (3)، اسی وجہ سے انہوں نے اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى کہا۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یعنی وہ تورات کی تصدیق کرنے والے تھے۔ یَهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ وہ دین حق کی طرف دعوت

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 36　2۔ صحیح بخاری، کتاب بنیان الکعبہ۔ ذکر الجن قول امہ قل اوحی الی، جلد 1، صفحہ 544
3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 312

دینے والے تھے وَ اِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ کے دین قدیم کی طرف۔

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ داعی سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کی ذات جنوں اور انسانوں کی طرف مبعوث تھی۔ مقاتل نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے قبل کوئی نبی جنوں اور انسانوں کی طرف مبعوث نہیں کیا گیا۔

میں کہتا ہوں: اس امر پر وہ حدیث جو صحیح مسلم میں ہے دلالت کرتی ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے قبل کسی کو عطا نہیں کی گئیں، ہر نبی صرف اپنی قوم کے لیے مبعوث کیا جاتا تھا اور میں احمر واسود کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں یا میرے لیے غنیمت حلال کی گئیں وہ مجھ سے قبل کسی کے لیے حلال نہیں کی گئیں، زمین میرے لیے پاکیزہ طہارت عطا کرنے والی اور مسجد بنادی گئی ہے، جس نماز کا وقت ہو جائے تو وہ جہاں ہو نماز پڑھ لے، مجھے ایک ماہ کی مسافت سے رعب کے ساتھ مدد کی گئی ہے اور مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے“(1)۔

مجاہد نے کہا: احمر واسود سے مراد جن اور انسان ہیں۔ حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں ہے: ”مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اور مجھ پر انبیاء کی بعثت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے“(2)۔

وَ اٰمِنُوْا بِهٖ ضمیر سے مراد داعی ہے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کی قوم سے ستر افراد ایمان لائے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹے اور آپ کو بطحاء میں ملے ان پر قرآن حکیم کو پڑھا انہیں حکم دیا اور نہی کی۔

مسئلہ: یہ آیات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ امر، نہی، ثواب اور عقاب میں جن، انسانوں کی طرح ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مومن جنوں کے لیے اس کے علاوہ کوئی ثواب نہیں کہ انہیں جہنم سے نجات دے دی جائے گی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے: يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ امام اعظم ابوحنیفہ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے، فرمایا: جنوں کے لیے اس کے سوا کوئی ثواب نہیں کہ انہیں آگ سے پناہ دی جاتی ہے، پھر انہیں کہا جاتا ہے: تم مٹی ہو جاؤ جس طرح چوپاؤں کو کہا جائے گا: تم مٹی ہو جاؤ۔ دوسروں نے کہا: انہیں گناہوں پر سزا دی جائے گی اور احسان کی صورت میں ثواب دیا جائے گا جس طرح انسان کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔ امام مالک، امام شافعی اور ابن ابی لیلی کا یہی نقطہ نظر ہے۔ ضحاک نے کہا: جن جنت میں داخل ہوں گے، وہ کھائیں گے اور پئیں گے۔ قشیری نے کہا: صحیح بات یہ ہے کہ اس کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کی جاسکتی۔ حقیقت حال اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کا فرمان وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ انہیں ثواب دیا جائے گا اور وہ جنت میں داخل ہوں گے کیونکہ سورت کے آغاز میں فرمایا: يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 199 2۔ ایضاً

عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِیۡ (انعام:130) آخر میں فرمایا: وَ لِکُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوۡا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ سورۂ رحمن میں اس بارے میں مزید گفتگو ہوگی۔ ان شاء اللہ۔

وَ مَنۡ لَّا یُجِبۡ دَاعِیَ اللّٰہِ فَلَیۡسَ بِمُعۡجِزٍ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَیۡسَ لَہٗ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءُ ؕ اُولٰٓئِکَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۳۲﴾

''اور جو قبول نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو تو وہ اللہ کو عاجز کرنے والا نہیں زمین میں (کہ اس سے بچ کر بھاگ نکلے) اور نہیں اس کے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار یہ (منکر لوگ) کھلی گمراہی میں ہیں''۔

فَلَیۡسَ بِمُعۡجِزٍ نہ تو وہ اللہ تعالیٰ کو ناپید پائے گا اور نہ اس پر سبقت لے جا سکے گا اَوۡلِیَآءُ اس کے ایسے مددگار نہیں ہیں جو اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رکھیں۔

اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ لَمۡ یَعۡیَ بِخَلۡقِہِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یُّحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰی ؕ بَلٰۤی اِنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۳۳﴾

''کیا انہوں نے نہ جانا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ذرا تھکن محسوس نہ کی ان کے بنانے میں وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ وہ مردوں کو زندہ کر دے بلکہ وہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے''۔

اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ یہاں رویہ علم کے معنی میں ہے ان، اس کا اسم اور اس کی خبر رویۃ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہیں۔

وَ لَمۡ یَعۡیَ بِخَلۡقِہِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یُّحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰی منکرین بعث کے خلاف استدلال ہے۔ لَمۡ یَعۡیَ کا معنی ہے وہ انہیں پیدا کرنے میں عاجز اور کمزور نہیں، یہ جملہ کہا جاتا ہے: عَیِیَ بأمرہ وعَیِیَ جب وہ ہدایت نہ پائے۔ اس میں ادغام اکثر ہوتا ہے جمع میں تو عیوا مخفف کہے گا۔ اس کو تشدید کے ساتھ عیوا بھی کہتے ہیں۔ کہا:

عَیُّوا بأمرھم کما عَیَّتْ ببیضتھا الحمامة

وہ اپنے معاملے میں یوں عاجز آ گئے جس طرح کبوتری اپنے انڈے کے بارے میں عاجز آ گئی۔

عَیِیتُ بأمری جب تو اس کی صحیح صورت کی طرف ہدایت نہ پائے أعیانی ھو اس نے مجھے عاجز کر دیا۔ حضرت حسن بصری نے ولم یَعِیَ عین کے کسرہ اور یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قلیل شاذ ہے کیونکہ عین کلمہ میں اعلال اور لام کلمہ میں تصحیح واقع نہیں ہوتی مگر چند اسماء میں ایسا ہوتا ہے، جس طرح غایة اور آیة ہے شعر کے علاوہ فعل میں ایسا نہیں ہوتا۔ فراء نے اس شعر کو پڑھا ہے، وہ شاعر کا قول ہے:

فکأنھا بین النساء سَبِیکَةٌ تمشی بِسُدَّة بَیْتِھا فتُعِیِ

محل استدلال فتحی ہے۔ بقادر ابوعبیدہ اور اخفش نے کہا: باء زائدہ ہے تاکید کے لیے آئی ہے، جس طرح اس ارشاد میں باء زائدہ ہے: وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا (النساء) تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ (المومنون: 20) نسائی، فراء اور زجاج نے کہا: باء استفہام کا نائب ہے اور کلام کے آغاز میں نفی کا معنی ہے۔ زجاج نے کہا: عرب اسے نفی کے ساتھ داخل کرتے ہیں تو کہتا ہے: ماظننت إن زيدا بقائم (1) تو یہ نہیں کہتا: ظننت أن زيدا بقائم۔ اس باء کے داخل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس پر ماداخل ہوا ہے اور ان داخل ہوا ہے جو تاکید کے لیے ہے، تقدیر کلام یہ ہے الیس اللہ بقادر جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَوَ لَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِقٰدِرٍ (یٰس: 81) حضرت ابن مسعود، اعرج، جحدری، ابن اسحاق اور یعقوب نے اسے بقدر پڑھا ہے؛ ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ ان کی خبر میں باء کا داخل کرنا قبیح ہے۔ ابوعبید نے عام قراءت کو پسند کیا کیونکہ حضرت عبداللہ کی قراءت میں ہے: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ قَادِرٌ (بنی اسرائیل: 99) باء کے بغیر ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَ يَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ رَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝

''اور جس روز کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا یہ حق نہیں۔ کہیں گے: ہمارے رب کی قسم! یہ حق ہے۔ اللہ فرمائے گا: اچھا اب چکھو عذاب کا مزا اس کفر کے باعث جو تم کیا کرتے تھے''۔

وَ يَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ انہیں وہ دن یاد دلایا جس روز انہیں پیش کیا جائے گا تو انہیں کہا جائے گا: اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ رَبِّنَا تو انہیں بیان کرنے والا کہے گا: فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ مامصدریہ ہے یعنی اپنے کفر کے باعث عذاب چکھو۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَ لَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

''پس (اے محبوب) آپ صبر کیجیے جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا تھا اور ان کے لیے (بددعا کرنے میں) جلدی نہ کیجیے جس روز وہ اس عذاب کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو خیال کریں گے کہ وہ نہیں ٹھہرے تھے دنیا میں مگر دن کی فقط ایک گھڑی، یہ پیغام حق ہے پس کیا نافرمانوں کے علاوہ بھی کسی کو ہلاک کیا جائے گا''۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حزم وصبر والے۔ مجاہد نے کہا: وہ پانچ ہیں

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 313

حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ یہ سب شریعتوں والے ہیں۔ ابوالعالیہ نے کہا: اولوالعزم رسول یہ ہیں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام (1)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ وہ چوتھے ہو جائیں۔ سدی نے کہا: وہ چھ ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ یہ سب سورۂ اعراف اور سورۂ شعراء میں مذکور ہیں۔ مقاتل نے کہا: یہ چھ ہیں حضرت نوح علیہ السلام نے ایک مدت تک اپنی قوم کی اذیتوں پر صبر کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ پر صبر کیا، حضرت اسحاق علیہ السلام نے ذبح پر صبر کیا، حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بچے کے گم ہونے اور نظر کے چلے جانے پر صبر کیا، حضرت یوسف علیہ السلام نے کنویں میں گرنے اور قید خانے میں گرنے پر صبر کیا، حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیماری پر صبر کیا (2)۔ ابن جریج نے کہا: ان میں حضرت اسماعیل، حضرت یعقوب اور حضرت ایوب ہیں ان میں حضرت یونس، حضرت سلیمان اور حضرت آدم علیہ السلام نہیں۔

شعبی، کلبی اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد وہ رسل ہیں جن کو جہاد کا حکم دیا گیا انہوں نے مکاشفہ کو ظاہر کیا اور کافروں سے جہاد کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ عظیم رسول ہیں جو سورۂ انعام میں مذکور ہیں وہ اٹھارہ ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت یسع علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام، حسن بن فضل نے اس قول کو پسند کیا ہے کیونکہ اس کے بعد میں ہے: أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ (الانعام: 90)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تمام رسول اولوالعزم تھے: اسے علی بن مہدی طبری نے پسند کیا ہے۔ کہا: اس میں من جنس کو ظاہر کرنے کے لیے ہے بعضیت کو بیان کرنے کے لیے نہیں، جس طرح تو کہتا ہے: اشتریت اردیة من البز واکسیة من الخز میں نے بز کی بنی چادریں اور خز کی بنی کسائیں خریدیں، یعنی آپ صبر کریں جس طرح رسولوں نے صبر کیا۔
ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام انبیاء اولوالعزم ہیں مگر حضرت یونس بن متی کیا تو نہیں دیکھتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر سے منع کیا گیا کہ آپ ان کی مثل ہو جائیں اس کی وجہ ان کا ہلکا پن اور جلد بازی ہے جو ان سے اس وقت ظاہر ہوئی جب وہ اپنی قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے تین امور کے ساتھ انہیں آزمایا۔ اللہ تعالیٰ نے عمالقہ کو ان پر مسلط کر دیا یہاں تک کہ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 288 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 289

انہوں نے آپ کے اہل اور مال پر غارت گری مچائی۔ اللہ تعالیٰ نے بھیڑیے کو ان کے بیٹے پر مسلط کر دیا تو وہ اسے کھا گیا اور اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو ان پر مسلط کر دیا تو اس نے آپ کو نگل لیا، یہ بات ابوالقاسم حکیم نے کہی ہے۔

بعض علماء نے کہا: اولوا العزم نبی بارہ ہیں جنہیں بنی اسرائیل کی طرف شام کے علاقہ میں بھیجا گیا۔ تو بنی اسرائیل نے ان کی نافرمانی کی۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی طرف وحی کی کہ میں اپنا عذاب بنی اسرائیل کے نافرمانوں کی طرف بھیجنے والا ہوں۔ یہ امر رسولوں پر شاق گذرا اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی: اپنے لیے پسند کر لو اگر چاہو تو میں تم پر عذاب کو نازل کر دوں اور بنو اسرائیل کو نجات دے دوں اور اگر چاہو تو تمہیں نجات دے دوں اور عذاب بنی اسرائیل پر نازل کر دوں انہوں نے آپس میں مشورہ کیا تو ان کی رائے اس بات پر متفق ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ان پر عذاب کو نازل کر دے اور بنی اسرائیل کو نجات عطا فرما دے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو نجات دے دی اور ان پر عذاب کو نازل کر دیا اس کی صورت یہ بنی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زمین کے بادشاہوں کو مسلط کر دیا ان میں سے کسی کو آری سے چیر دیا گیا، کسی کے چہرے اور سر کی جلد اتار لی گئی، کسی کو سولی پر لٹکا دیا گیا یہاں تک کہ وہ مر گیا، کسی کو آگ میں جلا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: اولوا العزم چار تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام (1)۔ جہاں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعلق ہے تو انہیں کہا گیا: اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ (بقرہ) پھر ان سے ان کے مال، ان کی اولاد، وطن اور ذات کے بارے میں امتحان لیا گیا تو جن جن امور میں ان کا امتحان لیا گیا ان میں آپ کو پورا اور سچا پایا گیا۔ جہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعلق ہے تو انہوں نے عزم کا اظہار کیا جب ان کی قوم نے ان کو کہا: اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ۝ (الشعراء) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ۝ (الشعراء) جہاں تک حضرت داؤد علیہ السلام کا تعلق ہے تو ان سے خطا ہوئی تو اس خطا پر انہیں متنبہ کیا گیا، آپ چالیس سال روتے رہے یہاں تک کہ آپ کے آنسوؤں سے درخت اُگ آئے تو آپ اس کے سائے میں بیٹھے۔ جہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق ہے تو انہوں نے یہ عزم کیا کہ وہ ایک اینٹ پر دوسری اینٹ نہ رکھیں گے۔ انہوں نے فرمایا: انہا معبرۃ فاعبروھا ولا تعمروھا یہ ایک راستہ ہے اسے عبور کرو اسے آباد نہ کرو۔

گویا اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے ارشاد فرماتا ہے: صبر کیجئے یعنی جن امور میں آپ کو آزمایا گیا ہے ان میں سچے ہو جایئے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سچ کا اظہار کیا اپنے مولیٰ کی مدد پر اس طرح اعتماد کرتے ہوئے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اعتماد تھا، اپنی لغزشوں پر ایسے غم کا اظہار کیجئے جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام نے غم کا اظہار کیا تھا اور دنیا میں ایسا زہد اختیار کیجئے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے زہد اختیار کیا تھا۔ پھر یہ کہا گیا: یہ آیت آیت سیف سے منسوخ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ آیت محکم ہے۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ منسوخ ہے کیونکہ سورت مکی ہے؛ مقاتل نے یہ ذکر کیا ہے۔ یہ آیت غزوہ احد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ جو مصیبت آپ کو پہنچی ہے اس پر صبر کیجئے

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 32

جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔ مقصود اس امر کو آپ پر آسان کرنا اور اس پر ثابت قدم کرنا تھا۔ وَ لَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ مقاتل نے کہا: ان کے حق میں بددعا کرنے میں جلدی نہ کیجئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر عذاب کے نازل ہونے کے بارے میں جلدی نہ کیجئے کیونکہ قیامت کے روز یہ ان کے مقاصد میں سے سب سے بعیدی مقصد ہوگا۔ استعجال فعل کا مفعول محذوف ہے اور وہ عذاب ہے۔

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ یحییٰ نے کہا: مَا يُوْعَدُوْنَ سے مراد عذاب ہے(1)۔ نقاش نے کہا: مراد آخرت ہے(2)۔ لَمْ يَلْبَثُوْٓا وہ دنیا میں نہ رہے یہاں تک کہ انہیں عذاب نے آلیا(3)؛ یہ یحییٰ کے قول کا مقتضا ہے۔ نقاش نے کہا: وہ اپنی قبروں میں رہیں گے یہاں تک کہ انہیں حساب کے لیے اٹھالیا جائے گا۔ اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ یعنی یوم قیامت کا ایک حصہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے جو عذاب دیکھا اس کی ہولناکی نے انہیں دنیا میں طویل عرصہ تک رہنے کے عمل کو بھلا دیا۔ پھر کہا: بَلٰغٌ کو رفع مبتدا کے مضمر ہونے کی بنا پر ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَ لِيُنْذَرُوْا بِهٖ (ابراہیم: 52) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۞ (الانبیاء) بلاغ تبلیغ کے معنی میں ہے۔
ایک قول یہ کیا گیا: یہ ٹھہرنا ہی بلاغ ہے(4)؛ یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے۔ اس تعبیر کی صورت میں وقف بَلٰغٌ اور نَّهَارٍ پر ہوگا۔

ابو حاتم نے ذکر کیا ان میں سے بعض نے وَ لَا تَسْتَعْجِلْ پر وقف کیا پھر لهم سے کلام کا آغاز کیا کلام یوں ہوگی لهم بلاغ۔ ابن انباری نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ تو نے البلاغ اور لام میں فاصلہ کر دیا ہے۔ عربی زبان میں بلاغا اور بلاغ دونوں طرح جائز ہے نصب اس اعتبار سے کہ تقدیر کلام یہ ہوگی الا ساعة بلاغا کہ یہ مفعول مطلق ہے یا یہ ساعة کی صفت ہے، جر اس اعتبار سے کہ کلام ہے من نهار بلاغ۔ نصب کے ساتھ عیسیٰ بن عمر اور حضرت حسن بصری نے پڑھا ہے۔ بعض قراء سے یہ مروی ہے بلغ یہ امر کا صیغہ ہے۔ اس صورت میں وقف مِّنْ نَّهَارٍ پر ہے پھر بَلٰغٌ سے کلام شروع ہوگی۔

فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ۞ یعنی اللہ کے حکم سے خارج۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ ابن محیصن نے پڑھا فَهَلْ يُهْلِكُ اِلَّا الْقَوْمُ فعل قوم کی طرف منسوب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب عورت پر بچے کی پیدائش مشکل ہو جائے تو یہ دو آیتیں اور دو کلمے ایک کاغذ پر لکھے جائیں پھر انہیں دھویا جائے اور اسے پلایا جائے۔ وہ یہ ہیں: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ العظيم الحليم الكريم سبحان رب السموات و رب الأرض و رب العرش العظيم كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ بَلٰغٌ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ اللہ تعالیٰ جو عظیم شان والا ہے اس نے سچ بولا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ ہلاک نہیں کرتا مگر مشرک کو(5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امید میں سب سے قوی آیت ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 289 — 2۔ ایضاً — 3۔ ایضاً
4۔ ایضاً — 5۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 46